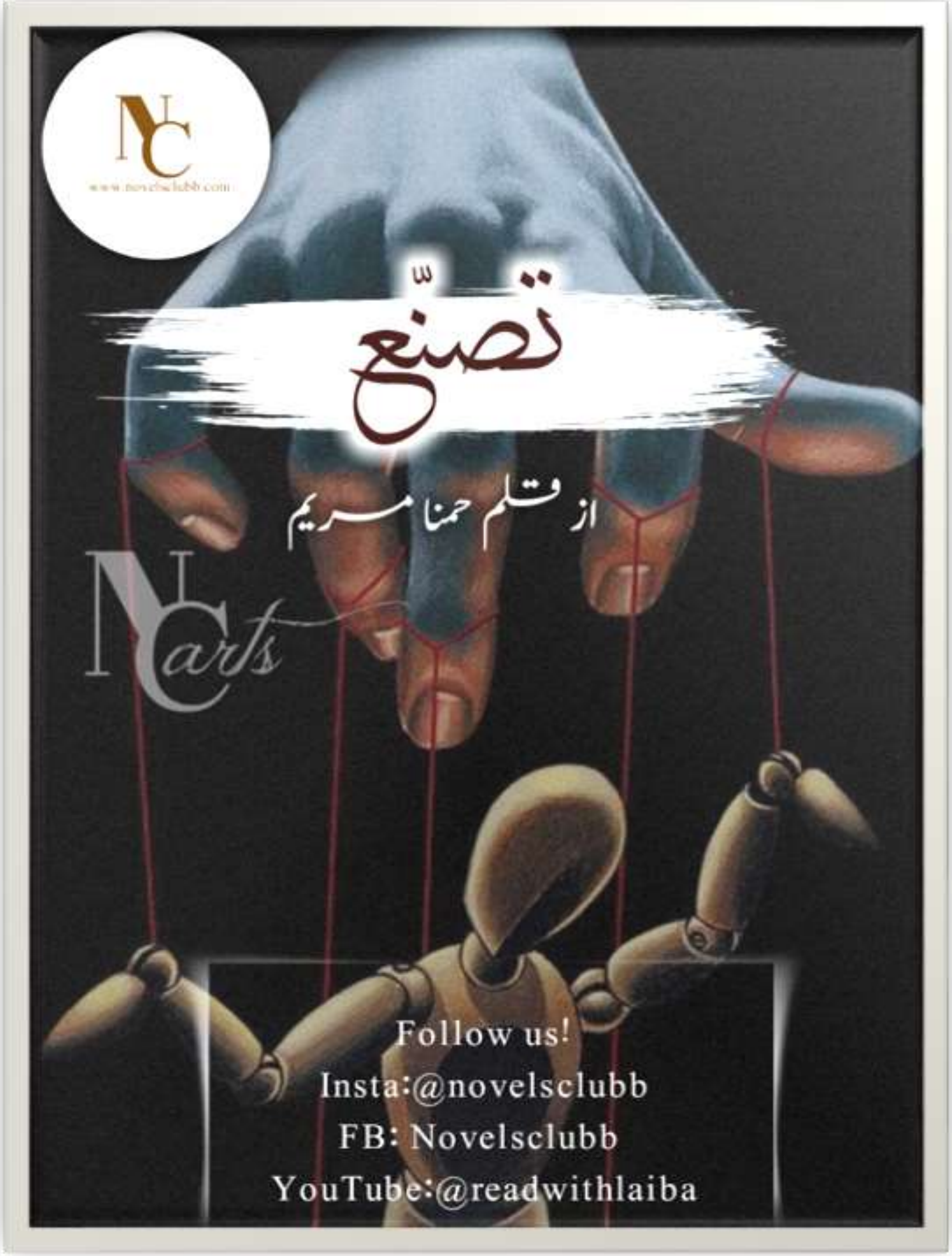
www.novelsclubb.com
تصنّع
از قلم حمنا مریم
Follow us!
Insta:@novelsclubb
FB: Novelsclubb
YouTube:@readwithlaiba

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری، ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

تصنّع

از قلم

حمنا مریم

www.novelsclubb.com

ناول: تصنّع

بقلم: حمنا مریم

قسط نمبر: 04

برقی قمقموں کی روشنی میں وہ کشادہ ہال کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔اس کے سامنے سیاہ سوٹ میں ملبوس جوان تھا۔جس کی رنگت لمحہ بہ لمحہ متغیر ہوتی جارہی تھی۔ہاتھ میں مائک تھامے لڑکی نے گلا کھنکارا۔فلیش لائٹس میں متعدد کیمروں کی آنکھیں اسے فوکس میں لیے ہوئے تھیں۔رستم طیار نے بھی اسے نگاہوں کے حصار میں لیا۔

"ہیلو ایوری ون" آواز گونجی۔انداز سرسری سا تھا۔مگر رستم کو اس کا لہجہ خار کھاتا ہوا محسوس ہوا۔وہ کہنے والی تھی۔وہ جس کے لیے سب منتظر تھے۔تم بھی تو ہو۔ہو ناں؟

www.novelsclubb.com

کے کے کریئیشنز نے آج سے قبل کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔آواز پھر سے گونجی تھی اس نے نظر اٹھائی۔سب کو دیکھا۔سوائے اس کے جس کی چاہ تھی کہ اسے تکا جائے۔اسے نظروں سے تسلی دی جائے۔

کیا وہ بھری محفل میں ہتک آمیز جملوں سے ذلیل کیا جائے گا؟ کیا اس کے ہوتے خان ٹیکسٹائل کی عمارتیں صفحہِ ہستی سے مٹ جائیں گی؟ کیا رستم طیار سب ڈبو دے گا؟ کیا ماں صحیح کہتی ہیں؟ دماغ نے ناامیدی سے بھرپور سوچوں کے زیرِ اثر اس کی رنگت کو پل بھر میں زرد کر دیا۔

کے کے نے مائک پھر سے سامنے کیا۔

" کمپنی کی کامیابی صرف ایک انسان سے ممکن نہیں ہوتی۔اس میں ہر کام کرنے والے کا اتنا ہی کریڈٹ ہوتا ہے جتنا کے کمپنی کے باس کا۔میری کمپنی میں کام کرنے والے دماغ سینکڑوں ہیں۔

کے کے کریئیشنز ہر سال پاکستان اور ایبراڈ کمپنیز سے ایسے فیشن ایونٹس میں کولیب کرتا ہے۔" وہ لمحہ بھر کو رکی۔اس نے لوگوں کو دیکھا۔

رستم کا وجود پھر سے ماوری ہوا۔

"آج ہر کوئی، کے کے کریئیشنز کے ساتھ کولیب کرنا چاہتا ہے" (نظریں بدر پر تھیں)۔

مگر کے کے کسی کو ایسے ہی سلیکٹ نہیں کر لیتی۔

میرے فیصلے دماغ سے آتے ہیں (دائیں ہاتھ میں مائک تھامے کھڑی کے کے نے بائیں ہاتھ کی مخروطی انگلی سے کنپٹی پر دستک دی)۔

"خان ٹیکسٹائل کو چننے کی وجہ تھی۔" اس کے بعد ایک لمحہ خاموشی کا آیا۔

وہ خاموش کیوں ہوئی تھی؟

کبھی کبھار "چپ" کاٹنے کو دوڑتی ہے۔رستم کو بھی چپ چبھی تھی۔سب کی نظریں سبز آنکھوں والی لڑکی پر تھیں۔"خان ٹیکسٹائل کو چننے کی وجہ تھی۔۔۔"الفاظ دہرائے گئے۔مگر فقرا ادھورا تھا۔جو کہ اب پورا ہونے والا تھا۔اس کے الفاظ پر دیواروں کو خود کو گرنے سے بچانے کے لیے سہارے کی ضرورت پیش آئی۔بیک سٹیج سکرین پر چلتے مناظر مانو تھم گئے۔جہاں سامعین کی دھڑکنیں منتشر تھیں۔وہیں رستم کو سانس بند ہونے کا گمان ہوا۔اس نے اپنادل تھام لیا۔تم بھی اپنادل تھام لو۔

"خان ٹیکسٹائل کو چننے کی وجہ تھی رستم طیار خان۔"دیواروں نے دم سادھ لیا۔رستم کی پتلیاں ساکت ہوئیں۔اس نے بدوقت ٹائی کی ناٹ کو ڈھیلا کیا۔رستم نے سبز آنکھوں سے نگاہیں پھیر لیں۔اب کی بار احسن نے کے کے پر نظر جمائی۔

"رستم طیار خان"ہال میں انتشار سا برپا ہوا تھا۔وہاں موجود ہر کسی نے ایک

دوسرے کو دیکھ کر کہا۔ مقصد تصدیق چاہنا تھا۔ وہ پھر سے سب کی نگاہوں کا مرکز بنی۔ رستم کے ذکر سے موضوع دلچسپ بن گیا تھا۔

اسی ہال میں پہلی قطار میں کونے والی کرسی پر گرے سوٹ میں ملبوس تمہیں بدر حسین نظر آئے گا۔" کے کے" کے ان الفاظ پر اس نے اپنی کرسی چھوڑی اور چند قدم چلتے ہوئے اس ہجوم میں آ کھڑا ہوا۔ جہاں سب اس کے جواب کے منتظر تھے۔ ان منتظر لوگوں میں بدر حسین کے ساتھ ساتھ اب احسن شیرازی بھی اشتیاق سے کھڑا تھا۔ رغبت چہرے سے چھلک رہی تھی۔ رستم کے نام نے اس کے لیے یہ موضوع پسندیدہ بنا دیا تھا۔

www.novelsclubb.com

"انسان بڑا پیسے سے نہیں ہوتا معیار سے ہوتا ہے۔ کچھ لوگ لاتعداد ڈالرز کے مالک ہو کر بھی گرا ہوا معیار رکھتے ہیں۔" اس نے نگاہ بدر پر دوڑائی۔ بدر کا چہرہ مارے خفت کے سرخ ہوا۔ ایسا پہلی بار تھا کہ وہ میڈیا والوں کے سامنے یوں بات

کر رہی تھی۔ رستم نے رخ موڑ لیا۔ وہ چند قدم چلتے ہوئے آخری دو قطاریں چھوڑ کر تیسری میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس نے دور سے اسے تکا۔ کہکشاں کی آنکھیں کسی اور جانب متوجہ تھیں۔ کوئی منظر تھا جو اس کی آنکھوں کے پردے پر لہرا رہا تھا۔ کوئی آواز تھی جو سماعت سے ٹکرانے لگی تھی۔ زہن کسی واقعے کو دہرانے لگا۔ مگر اس نے منتظر لوگوں پر ترس کھاتے ہوئے انہیں انتظار ختم ہونے کی نوید سنا دی۔

"کانٹریکٹ یعنی معاہدہ۔ اور معاہدہ یعنی تعلق۔

تعلق رئیس سے بناؤ۔ وہ جو رئیس ہو اپنے معیار سے۔ نا کہ سکّوں کی بنا پر۔

اور معیار بنتا ہے صدق سے۔

وہ جو سچا ہی نہیں۔ کسی تعلق کی نوعیت نہیں سمجھ سکتا۔

سچ۔۔۔!!جو کہ آج کل نہیں بولا جاتا۔مگر وہ استعمال میں لانے کے بنا بھی وہی ہے۔

معتبر۔خاص۔اہم۔اور معیاری۔"اس کے ان الفاظ نے کسی کو مطمئن نہیں کیا تھا۔

(وقت الٹے پاؤں چلنا شروع ہوا۔اور پھر گھڑی کی سوئیوں نے وہاں قدم روک لیے جس دن اسے ڈیل کے لیے لاہور جانا تھا۔رحیم خان نے زمین میں ایک چھوٹے پودے کی جڑ کو رکھا اور مٹی سے جڑ کو ڈھکنے لگے۔وہ پلر سے ٹیک لگائے ہاتھ میں موبائل تھامے سفید محل میں کھڑی تھی۔عدیل کی فارورڈ کی ہوئی میل کو کھولے اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔وہ بظاہر خاموش تھی۔مگر الفاظ تھے جو سرگوشیاں کر رہے تھے۔

"ہیلو۔میں رستم طیار۔اونر آف خان ٹیکسٹائل۔کے کے کریئیشنز کے ساتھ ہونے والی ڈیل کے سلسلے میں ملاقات سے قبل ایک بات باور کرانا چاہتا ہوں کہ

خان ٹیکسٹائل کولاس ہوا۔ کہہ لیں کہ کروڑوں کا۔آپ کاڈیل کا من ہو تو وزٹ کریں ورنہ کوئی پابندی نہیں۔ شکریہ۔"

اس نے انگریزی کی مختصر سی تحریر کو پڑھا تھا۔)

لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اپنے سامنے کھڑے مجمعے کو دیکھا۔سب کی آنکھوں میں طلب تھی۔جواب کی۔رستم سب سے لاتعلق ناامیدی کی دلدل میں دھنسا ہوا تھا۔اس کے الفاظ پھر سے رستم کی سماعت میں گھلنے لگے۔

"جس شخص میں سچائی ہے وہ ارفع ہے اپنے معیار میں۔"

"رستم طیار معیاری تھا۔صاف گو اور سچا"۔

www.novelsclubb.com

رستم کو گویا اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ مگر "کے کے" کے ان الفاظ نے رستم کی جھکی ہوئی گردن کو بلند کر دیا۔

الفاظ نہیں تھے کوئی امدادی ڈور تھی جس نے اسے مایوسی کی دلدل سے باہر آنے کا اشارہ دیا تھا۔اس کی آنکھیں بے یقین تھیں۔ کیا سچ کا اجر یوں ملنا تھا؟ کیا اس کا اعزازیہ تھا؟اظہار تشکر سے آنکھیں رنگین نقش و نگار والی چھت پر ٹک گئیں۔ اس چھت کو کون دیکھ رہا تھا؟۔وہ تو نیلی چادر والے کو تک رہا تھا۔دل پر جو بوجھ تھا وہ کم سا ہوا تھا۔

رستم سے نظر ہٹا کر کہکشاں کو دیکھو تو وہ ابھی بھی محو گفتگو تھی۔

"تعلق، پروفیشنل ہو یا پرسنل وفا سے چلتا ہے۔اگر کسی رشتے میں وفا نہیں تو وہ ردّی کی مانند ہے۔ جسکی میعاد محض چند کوڑیاں ہوتی ہے۔اور اگر کوئی کوڑی، خود کو ڈالر سمجھنے لگے تو اسے اسکی وقعت سے کیسے روشناس کرانا ہے؟ کے کے بہتر

www.novelsclubb.com

جانتی ہے۔" نظروں کا زاویہ بدر حسین پر بنا۔ یہ جملہ نہیں تھا طمانچہ تھا جو بدر کی ذات پر چوٹ کر گیا۔ مگر وہ شرمندہ نہیں ہوا تھا۔

دھوکے باز شرمندہ نہیں ہوتے۔ وہ دھوکے کے لیے بھی جسٹیفیکیشن کارڈ تھامے ہوئے ہوتے ہیں۔ جسے بوقت ضرورت وہ اپنے حق میں بروئے کار لا سکیں۔ جن میں حیا کا عنصر موجود ہو وہ دھوکہ نہیں دیتے۔ کیونکہ دھوکے بازی محض بے حیاؤں کا شیوہ ہے۔

اسکی نظریں ہنوز بدر حسین پر تھیں۔ یعنی بدر کی خدمت میں پیش کیے جانے والے الفاظ ابھی تمام نہیں ہوئے تھے۔

"جس انسان میں وفا نہیں وہ جان لے کہ کتا اس سے بہتر ہے۔ یہ جان کر اپنی وقعت کا اندازہ اسے چاہئے کہ وہ خود لگائے۔

بے وفا یعنی فریبی۔ اور کے کے سے فریب کرنے والے کو کے کے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

بدر نے تھوک نگلا۔اس کے اوسان خطا ہوئے۔ بھرے ہال میں اسے بے اختیار کے کے سے خوف محسوس ہوا تھا۔

"کسی تعلق میں،سب سے مہنگا تحفہ جو کسی کو دیا جاتا ہے۔وفا ہوتا ہے۔

اور رستم طیار میں وفا تھی۔

اور وفادار کے کے کو بھاتے ہیں۔

وفادار کسے نہیں بھاتے بھلا؟"

اس نے سوال کر کے اپنے سامنے کھڑے لوگوں کے چہروں کو دیکھا۔

"رستم طیار میں وفا تھی"رستم کے کانوں میں الفاظ کی بازگشت نے اس کے شانوں سے منوں بوجھ ہٹا دیا۔آنکھوں میں الوہی سی چمک تھی اور لبوں پر تبسم سا بکھر گیا۔رستم نے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔ان آنکھوں میں اس کے لیے کوئی

www.novelsclubb.com

حقارت آمیز تاثر نہ تھا۔ وہ اڑ نہیں رہا تھا مگر اس میں خود کو سطح زمین سے بلند محسوس کیا۔

(وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر آڑھی ترچھی بیٹھی ہوئی تھی ایسے کہ لیپ ٹاپ گود میں رکھے ساتھ پڑے بادام والے باؤل سے ایک کے بعد ایک بادام کھا رہی تھی۔ شاید یہ باداموں کا اثر تھا جو وہ اتنی ہونہار اور شاطر تھی۔

ایک ٹانگ بیڈ پر رکھے وہ دوسری بیڈ سے نیچے لٹکائے اسے جھلا رہی تھی۔ سامنے سکرین روشن تھی۔ اس نے سیاہ نائٹ سوٹ پہن رکھا تھا اور بال بندھے ہوئے تھے۔ نظریں سکرین پر تھیں۔ ڈھلتی دوپہر کا وقت تھا۔ گلاس وال سے روشنی کی مدھم سی کرنیں اندر داخل ہو رہیں تھیں۔

سکرین میں رائل بلیو تھری پیس سوٹ میں ملبوس احسن شیرازی عدیل کے مقابل بیٹھا تھا۔ گورے ہاتھوں کی انگلیوں کو کھول کر ان کے پوروں کو آپس میں جوڑے رستم طیار خان کا کانفیڈنٹ پاسچر سکرین میں نمایاں تھا۔ سکرین میں احسن

شیرازی کا پورا امیج جبکہ رستم کے محض ہاتھ نمایاں تھے۔وہ خود میٹنگ کے لیے نہیں گئی تھی مگر عدیل کی شرٹ میں لگے "بٹن سپائی کیمرہ" سے وہ پل پل کی آگاہی حاصل کر رہی تھی۔

"خان ٹیکسٹائل کے بارے میں کون نہیں جانتا؟

طیار خان صاحب نے خان ٹیکسٹائل کو عروج تک پہنچایا تھا۔ان کے بعد یہ کمپنی احتشام خان نے سنبھالی ہوئی تھی۔

اب سننے میں آیا ہے کہ آپ اسے اوون کریں گے۔"

"رائٹ؟"عدیل نے تصدیق چاہی۔

"رائٹ۔"رستم آہستگی سے بولا۔

میں آپ سے پوچھنا چاہوں گا کہ آپ اس کمپنی کو کیا دیں گے؟

سکرین میں اسکے ہاتھ اب میز پر جم گئے تھے۔ جبکہ پاسچر وہی تھا۔ کانفیڈنس کا مظاہرہ کرتا ہوا۔

سکرین میں نظر آنے والے منظر میں اب کوئی آواز نہیں تھی۔ ایک مختصر سا لمحہ خاموشی کا آیا تھا۔

"آئی مین آپ لاس کو اوور کم کرنے کے لیے کیا کریں گے؟

کوئی سکل (مہارت)؟؟"

عدیل نے گویا اپنا سوال سمجھانے کی غرض سے پھر سے کہا۔

وہ سرسری سی نگاہ گود میں پڑے لیپ ٹاپ پر ڈالے بادام نگل رہی تھی۔ اس نے گردن کو دائیں سے بائیں حرکت دی۔

کافی دیر سے ایک پوزیشن میں بیٹھے وہ شاید تھک چکی تھی۔

اس نے لیپ ٹاپ کو بیڈ پر رکھ دیا۔

اور خود قالین پر رکھے پاؤں کو اب بستر پر رکھ کر آلتی پالتی مار لی۔

وہ اس منظر سے شاید اب بیزار ہو گئی تھی۔

رستم کے سچ سے متاثر ہو کر عدیل کو ڈیل کے لیے بھیجنا بے فائدہ سا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں کھوکھلے دعوے نہیں کرتا۔

مجھے الفاظ سے زیادہ عمل پسند ہے۔میرے لیے یہ سب نیا ہے۔مگر میں نے فیشن کو سٹڈی کیا ہے۔کمپنی ایک شخص سے نہیں چلتی۔اس میں ہزاروں دماغ ہوتے ہیں۔ہزاروں فنون مل کر پراڈکٹس تشکیل ہوتے ہیں۔

خان ٹیکسٹائل کرائسس کا شکار ہے۔

لاس اینڈ پرافٹ بزنس کا حصہ ہیں۔ لیکن اس سے انسان کی صلاحیت مر نہیں جاتی۔ کمپنی ڈوب بھی جائے تو اسے پھر سے کنارا دیا جا سکتا ہے۔ میں فلحال محض یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔"

وہ تحمل سے بول رہا تھا۔ صاف گوئی تھی۔ اطمینان تھا۔

رستم کے ان جملوں پر اس نے ہاتھ میں تھامے باؤل کو بیڈ پر رکھ دیا۔ لیپ ٹاپ پھر سے گود میں رکھا۔ یہ جواب اس کے لیے غیر متوقع تھا۔ مگر اثرانداز۔

"اگر کوشش ناکام ہو گئی تو؟"

کہکشاں کی آواز گونجی۔ عدیل نے ائیر پیس میں اسکے الفاظ سنتے ہی سوال دہرایا۔

"اگر کوشش ناکام ہو گئی تو؟"

رستم نے ہاتھوں کو کھول لیا۔ کرسی کو تھوڑا ترچھا کیے عدیل کی جانب رخ کیا۔

اسکا دایاں رخ نمایاں ہوا تھا۔ مگر چہرہ ہنوز کے کی نظر میں نہیں آیا تھا۔

"کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ مگر ایک دفعہ کی ناکامی یہ تقاضا ہر گز نہیں کرتی کہ ہار مان لی جائے۔

اگر میں ناکام ہوا میں پھر سے کوشش کروں گا۔"

"لیکن انسان تھک جاتا ہے۔" کہکشاں کے الفاظ پھر سے ڈیلیور کیے گئے تھے۔

"کسی بھی انسان کی سب سے بڑی موٹیویشن وہ انسان خود ہوتا ہے۔ انسان تھک جاتا ہے، بیزار ہو جاتا ہے میں مانتا ہوں۔ مگر میرا خیال ہے کہ کوشش نہیں چھوڑنی چاہیے۔

www.novelsclubb.com

اور میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔

میں اپنی کمپنی کا نقصان کیوں کرنا چاہوں گا؟ کوئی بھی نہیں چاہتا۔ عدیل یک ٹک اسے دیکھے گا۔ رستم ابھی بھی کچھ کہہ رہا تھا۔

شعبہ کوئی بھی ہو۔ وفا مانگتا ہے۔

میں اپنی کمپنی کے ساتھ وفا نبھاؤں گا۔ اور اگر آج یہ ڈیل فائنل ہو گی تو کے کے کریئیشنز سے بھی۔

کیونکہ رستم طیار بے وفائی نہیں کرتا۔"

سیاہ شرٹ کی آستینوں پر لگے سنہری کف لنکس اور ان سے جھلکتے گورے ہاتھوں کو اس نے ابھی بھی میز پر دھرا ہوا تھا۔)

ہال میں تالیوں کی گونج سنائی دی۔ رستم طیار کی بھوری آنکھیں متورم ہوئیں تھیں۔

وہ پھر سے گویا ہوئی۔سب خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

"ہر انسان کوئی نہ کوئی شعبہ اختیار کرتا ہے مگر کامیابی جنون سے منسلک ہے۔
سفر کٹھن ہوتے ہیں مگر منزل کا جنون ہوتا ہے،جو ہارنے نہیں دیتا۔رکنے نہیں
دیتا۔جو قیام کے حق میں نہیں ہوتا۔جو مستقل مزاجی مانگتا ہے

اور رستم طیار میں اپنے کام کو لے کر جنون تھا۔"

وہ جو حال اور ماضی کا حصہ بنے کھڑی تھی اس کے ذہن میں ایک اور منظر
ابھرا۔

**(عدیل کے سامنے کافی کا کپ رکھا گیا تھا۔منظر میں احسن شیرازی دونوں
کپ رکھے چائے سے انصاف کر رہا تھا۔**

**"مقاصد پورے کرنے کے لیے پیسہ بہت اہم ہوتا ہے۔"عدیل نے گھونٹ
بھر کر دہائی دی۔مقصد خان ٹیکسٹائل کو ہوئے لاس پر چوٹ کرنا تھا۔**

"سوری ٹو سے۔پر میرا ماننا ہے کسی بھی مقصد کی تکمیل کے لیے سب سے ضروری جنون ہوتا ہے۔کوئی بھی کام پیسہ نہیں کرے گا۔انسان کرے گا۔بندے میں جنون ہو تو وہ پیسے بھی کما سکتا ہے۔پیسہ، محض کاغذ۔

کیا ہی مقاصد کو پورا کرے گا۔؟

سب سے بنیادی جنون ہے۔باقی سب ثانوی ہے۔انفیکٹ پیسہ بھی۔"رستم نے تحمل مزاجی کا مظاہرہ کیا۔)

"کوئی بھی بزنس ہو لاس اینڈ پرافٹ چلتا رہتا ہے۔آپ کسی بھی بزنس میں میں انویسٹ کریں کوئی گارنٹی نہیں ہوتی کہ پرافٹ حاصل ہو گا۔مگر یقین ہونا چاہیے۔سیلف کانفیڈنس ہونا چاہئے کہ آپ خود کو پرافٹ دیں گے۔اور پر اعتمادی ہی کامیابی کی گارنٹی ہے۔"وہ بیک وقت حال اور ماضی کا حصّہ بنے کھڑی تھی۔اب کی بار اس نے پھر سے ماضی میں جھانکا۔

)کافی خود پسند ہیں آپ؟

عدیل کے پاس تو جیسے اس سے پوچھنے کے لے اب سوال کم پڑ رہے تھے۔

اس لیے طنز کا تیر چلایا مگر پیار سے۔

"خوداعتمادی انسان کو خود پسند بنا دیتی ہے۔اور خوداعتمادی کوئی بری شے

نہیں۔"

رستم کا لہجہ بھی طنزیہ نہیں تھا۔ مگر عدیل کے لیے وہ کرارا ساجواب تھا۔

عدیل نے محض اثبات میں گردن ہلائی۔اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتا

تھا۔)

کے کے نے رستم کو دیکھا۔

"رستم طیار خان، کے کے کریئیشنز آپکو ویلکم کرتا ہے۔"

رستم سرخ و متورم آنکھوں کے ساتھ ،اپنی کرسی سے اٹھا۔معیاری، باوفا، پر

اعتماد،اور جنونی رستم کے لیے ہال میں ایک بار پھر سے تالیوں کی آواز بلند ہوئی۔

مختصر سوال کے اس قدر طویل جواب نے رستم کو سطح زمین سے ساتویں آسمان پر بٹھادیا تھا۔وہ بھوری آنکھوں میں تشکر کی نمی لیے ہجوم کو پار کرتے ہوئے کہکشاں کے ہمراہ جا کھڑا ہوا۔کہکشاں کی نظریں رستم پر جمیں تھیں۔رستم سے اب کی بار اسے دیکھا نہیں گیا۔

"السلام وعلیکم"رستم نے مدھم سی آواز میں سرگوشی کی۔اسکے حق کی سمیٹی ہوئی سلامتی کو بھیج کر فرض ادا کیا گیا۔اس نے محض اثبات میں گردن ہلائی۔رستم کو لفظوں کی کمی محسوس ہوئی۔

بمشکل ایک لفظ تھا جو اس نے کہکشاں کی خدمت میں پیش کیا۔

"شکریہ"۔

رستم پر ایک نرم سی نگاہ ڈال کر اس نے عدیل کی جانب دیکھا۔میڈیا والوں کو جواب مل جانے کے بعد اب وہاں موجود کچھ ورکرز نے انہیں واپس نشستیں سنبھالنے کی گزارش کی تھی۔

رستم اس کا داہنہ رخ دیکھ رہا تھا۔آنکھوں میں نرم سا تاثر لیے۔ان کہے لفظوں کا ذخیرہ لیے۔ایک عورت اسکی ماں تھی جس نے اسے ناامیدی کی تہوں میں گاڑھا تھا اور ایک عورت اسکے سامنے تھی جس نے اسے آسمان میں پرواز کا حوصلہ بخشا تھا۔

تاریخ میں پہلی بار ایک عام سی لڑکی کسی موٹیویشنل سپیکر کی موٹیویشن بنی تھی۔

وہ لڑکی جس نے اسے اسکے الفاظ کی بنا پر چنا تھا اسکے الفاظ نے اسے رستم کی نظروں میں اونچی، معتبر مسند پر براجمان کروادیا تھا۔وہ اسکے معیار، وفا، پراعتمادی اور جنون سے متاثر تھی۔ان سب خوبیوں کی حامل وہ لڑکی بھی تھی۔اس نے سیاہ سوٹ میں ملبوس لڑکی کو دیکھتے ہوئے بے اختیار یقین کر لیا۔

چند لمحے بعد وہ کو لیبوریٹرز کے روم میں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے تھے۔ وہ لڑکی جو پہلے اسے وہاں بیٹھے زہر لگ رہی تھی۔ وہ پھر اسی سٹول پر بیٹھے عدیل سے بات کر رہی تھی اور رستم میک اپ آرٹسٹ اور اسٹائلسٹ کی جانب متوجہ تھا۔ تعداد میں سات ماڈلز عمدہ لباسوں میں ملبوس کھڑی تھیں۔ آٹھویں ماڈل کا انتظام اقبال شیرازی نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔

"یہ اس کے ساتھ اچھا نہیں لگ رہا۔" رستم نے اسٹائلسٹ کو دیکھ کر کہا جو کہ ماڈل کے گلے میں سنہری رنگ کا ہار پہنا رہا تھا۔

"سر بیلو کے ساتھ سنہری ٹچ اچھا لگ رہا ہے۔" وہ مدھم سا بولا۔ اسٹائلسٹ تقریباً انیس سالہ لڑکا تھا۔ سرخ جینز پر سفید گول گلے والی ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ بال گھنگریالے تھے اور لمبائی میں کندھوں تک آتے تھے۔ ان میں سے چند بالوں کو ڈائی کیا گیا۔ بھنوؤں کو شیپ بھی دے رکھی تھی۔ ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ دیکھنے میں کوئی دوسری مخلوق کا بندہ معلوم ہوتا تھا۔

"بلیو اینڈ۔۔۔(وہ اپنی جگہ سے اٹھی)میز پر پڑے جیولری کیسز میں سے ایک نفیس نیکلس نکالا۔اس نیکلس میں سفید اور بلیو کا امتزاج تھا۔نیلے رنگ میں سفید چمکتے ہیرے۔

"یہ اچھا رہے گا۔"اس نے نیکلس عدیل کو پکڑایا۔وہ دوبارہ سٹول پر بیٹھ گئی ۔رستم کی نظر کہکشاں پر ٹھہری۔سٹائلسٹ ہار پہنا چکا تھا۔اسکے "سر" کہہ کر مخاطب کرنے پر رستم نے ایک نظر ماڈل کو دیکھا۔

"پرفیکٹ"وہ فوراً بولا۔لہجے میں خوشی کی رمق بھی تھی۔

ماڈل کی جانب متوجہ کے کے نے نظر اٹھائی۔چند ثانیے کے لیے ان کی آنکھیں چار ہوئیں۔وہ پھر سے اس کے دل کے تار چھیڑ گئی پھر کہکشاں نے نظریں موڑ لیں۔وہ لڑکی اس کے سامنے تھی جس نے اس کے دل میں موہوم سی امید جگائی تھی۔کئی الفاظ،چند جملے رستم کے دماغ میں ٹھہرے تھے۔کے کے نے اپنے گرد خول بنا رکھا تھا۔وہ خاموش تھی تو رستم بھی صامت رہ گیا۔کچھ دیر پہلے تک

اس کے چہرے پر جو اثرات تھے وہ اب نہیں تھے۔ماڈلز تیار ہو چکی تھیں۔کہکشاں نے بیپ ہونے پر موبائل کو دیکھا۔

وہ موبائل پر کچھ ٹائپ کرنے لگی۔عبداللہ کا میسج آیا تھا شاید اور رستم دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔وہ ابھی کچھ ٹائپ کر رہی تھی کہ اس کے موبائل پر رنگنگ شروع ہو گئی۔یعنی عبداللہ کو بات کیے بنا چین نہیں ملنا تھا۔ڈسٹرب نہ کرنے کی غرض ہے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اس نے کال پک کی موبائل کان سے لگایا۔دروازہ کھولتے ہی وہ کسی وجود سے بہت بری طرح ٹکرائی۔یوں کہیں کہ وہ گرتے گرتے بچی۔

www.novelsclubb.com

"ہاؤ ڈیر یو۔" سامنے موجود شخص نے اپنی بلند آواز میں کہا کہ کہکشاں کو محسوس ہوا اس آواز نے اسکے کان کے پردے کو تباہ کر دیا ہو گا۔

کہکشاں کو اچھو کا سا لگا۔ابرو تعجب سے سکڑے۔

"ہاؤ ڈیر می؟" وہ بھی دو بدو تڑخ کر بولی۔

"سے سوری ٹومی" مقابل شاید کوئی رئیس باپ کی بگڑی ہوئی اولاد تھی۔

امیر والدین کے بچے۔ جنہیں ہر سہولت میسر کی جاتی ہے سوائے اس آگاہی کے ، کہ کبھی وہ بھی غلط ہو سکتے ہیں۔انہیں یہ تو احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ مال والے ہیں ، حاکم ہیں۔ مگر یہ نہیں سکھایا جاتا کہ وہ "انسان" ہیں۔

کہکشاں نے اسے سر تا پیر گھورا۔

وہ سرخ فراک میں ملبوس تھی۔ گھیر دار سرخ ٹیل فراک جو دیکھنے میں قابل ستائش تھا۔ سن کسڈ بھورے بال کندھے سے تھوڑے نیچے تک تھے اس کے فراک کا ڈیزائن جدید اور کلاسک کا امتزاج تھا۔اس کی سرمئی آنکھوں کو آئی شیڈو اور آئی لائنر نے مزید بڑا بنا دیا تھا۔اور وہ کھا جانے والی نظروں سے کہکشاں کو گھور رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

اگر کہکشاں کی جگہ وہاں کوئی اور ہوتا یقیناً اس کی آنکھوں سے خوف کھاتا۔ لبوں پر نیوڈ ریڈ لپسٹک لگائے ہوئے وہ لڑکی خوبصورت لگ رہی تھی۔ مگر کہکشاں کو نہیں۔

"آپ کی غلطی تھی۔" پوری طرح مقابل کا جائزہ لینے کے بعد وہ بہت تحمل سے بولی۔

"ویری فنی۔" سرخ لباس پہنے جس کا محض ایک بازو تھا، اور اس بازو پر سنہری رنگ کے کورے کی کڑھائی کی گئی تھی۔ جبکہ دوسرا بازو عیاں تھا۔ اور کلائی میں چمکتا سنہری بریسلٹ۔ اس لڑکی نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ کہکشاں کی سبز آنکھوں کے دھاگوں میں سرخی پھیلنے لگی۔

"میں نے کہا معافی مانگو۔" وہ اب چیخنے پر اتر آئی تھی۔

"کیوں بھئی آپ کی غلطی تھی۔" کہکشاں نے تمیز کے دامن کو تھامتے ہوئے جواب دیا۔ ورنہ دل تو تھا کہ ایک کان کے نیچے رکھ کر لگاتی۔

لمبی راہداری جس کے دونوں اعتراف کمرے بنے ہوئے تھے میں اس کا بلند قہقہہ گونجا۔ کہکشاں کے چہرے پر غصے کی جگہ حیرانی نے لے لی۔ اس میں ہنسنے والی کون سی بات تھی بھلا؟

"غلطی اور میں۔؟" اسکے لہجے میں عجب حیرت تھی۔ عجب مان تھا۔ لبوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ لیے ہاتھ سینے پر رکھے اس لڑکی نے دریافت کیا۔ کے کے نے کوئی جواب نہ دیا۔

"زوہا غلطیاں نہیں کرتی۔ غلطیاں بے وقوف لوگ کرتے ہیں اور زوہا کو غلط سمجھنے والے سے بڑا بے وقوف پوری دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا۔" اسکی آنکھوں کا تاثر پل بھر میں بدلا۔ اس نے انگلی اٹھا کر بلند آواز میں کہا۔ کے کے نے داد دینے کے انداز میں زیریں لب بالائی لب پر جمایا۔ ایک آبرو اٹھائی۔ اور گردن کو اوپر نیچے حرکت دی۔ بس تالی پیٹنے کی کثر باقی تھی۔ یعنی وہ کہکشاں کو بے وقوف کہہ رہی تھی۔ اس کی یہ مجال۔

کہکشاں بنا کوئی جواب دیے پلٹی۔ غیر ارادی طور پر نظر موبائل پر جمائی۔ جس پر عبداللہ کی کال پھر سے آرہی تھی۔ پہلے کی گئی کال وہ کہکشاں کے جواب نہ دینے پر کاٹ چکا تھا۔ اپنے بازو پر دباؤ محسوس کرتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ جدھر وہ لڑکی بھنویں اچکاتی اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے پوچھ رہی ہو معافی مانگے بنا کدھر چلی؟۔

اس کی تو تلخ کلامی کے کے کو ایک آنکھ نہیں بھائی تھی اور اس حرکت پر اس نے موبائل کوٹ کی جیب میں اڑستے ہوئے رخ اس کی جانب موڑا۔ جبڑے بھینچے اشتعال سے اسے گھورا۔

ایک نظر کلائی پر رکھے اسکے ہاتھ کو دیکھتے آنکھوں میں سرد تاثر لیے سرمئی آنکھوں میں دیکھ کر مقابل کو یوں دیکھا کہ کوئی بھی خوف میں مبتلا ہو جاتا۔

"آئی سیڈ سے سوری." "اوہ یعنی وہ نہیں ڈری۔ انداز ہنوز تحکمانہ تھا۔

www.novelsclubb.com

"کے کے غلطی کے باوجود کبھی معافی نہیں مانگتی اور اب تو میری کوئی غلطی نہیں تھی۔" باور کروایا کہ نہیں مانگتی معافی۔ جو کرنا ہے کر لو۔

کے کے کی کلائی پر جما ہاتھ ہٹایا گیا۔ انگلی اٹھا کر ٹارگٹ کیا۔

"تمہاری غلطی تھی تمہاری وجہ سے میں گر سکتی تھی۔" سراسر بے عزتی پر اسکا چہرہ سرخ ہوا تھا۔ اسکا خیال تھا وہ معافی کا بولے گی تو مقابل گڑ گڑا کر جان خلاصی کروا لے گی۔ کے کے سے معافی اگلوانا اب اسکی انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ تھا۔ وہ اب اس سے سوری کہلوانے میں نا جانے کیا کر جاتی۔ اس وقت برانڈ پہنے ہوئے خوبصورت لڑکی جاہل معلوم ہو رہی تھی۔ کیونکہ انا دیوار بن گئی تھی۔ اور جانتے ہو انا سب سے کاری وار انسانیت پر کرتی ہے۔ یوں کہ انسان، انسان سے بھیڑیا بن جاتا ہے اور اسے اس بات کا علم بھی نہیں ہوتا۔

"پہلے سے گرے ہوئے کو میں کیا گراؤں گی؟۔" کندھے اچکائے۔ تصدیق چاہی۔ یعنی پٹرول چھڑک کر تیلی لگا دی گئی۔

مقابل کے وجود میں آگ سی لگ گئی۔ سرمئی آنکھوں میں غصہ تو تھا مگر ندامت بھی تھی۔ "تمہاری تو۔۔" اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتی راہداری میں آتے اقبال شیرازی نے رستم کو آواز لگائی اور اسکی جانب چل دیے۔ کہکشاں نے رخ موڑ کر رستم کو دیکھا۔اقبال شیرازی کے ہمراہ کھڑا رستم حیرانی سے انہیں دیکھ رہا تھا مبادہ کہ وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سن چکا تھا۔

وہ دونوں اب کہکشاں کے پاس آکر کھڑے ہوئے۔انہیں کوئی بات کرنی تھی شاید۔زوہا نے سنہری ہیل میں مقید پیر کو فرش پر پٹخا۔اس کی سرخ ٹیل فراک فرنٹ سے پنڈلیوں تک تھی۔ جس وجہ سے اسکی سڈول ٹانگیں عیاں تھیں۔ پیچھے فرش پر جھولتا ہوا سرخ آنچل اٹھایا اور بالوں کو جھٹکتی ایک ادا سے وہ کولیبوریٹرز کے روم میں گھس گئی۔

کولیبریٹرز کے روم اور ان کی تیاریوں سے نظر ہٹائے شیرازی فیشن ہاؤس کے بڑے ہال میں واپس آؤ تو اس کا نظارہ پہلے سے بلکل مختلف تھا۔

ہال کی روشنیوں کی چمک دمک نے ہر چیز کو ایک خوابناک رنگ میں رنگ دیا تھا۔ چھت سے لٹکتی ہوئی شاندار فانوس کی لڑیوں نے ہر طرف روشنی بکھیر رکھی تھی، جیسے ستاروں کی ایک جھرمٹ زمین پر اتر آئی ہو۔ ہال کے ایک کونے میں پھولوں کی بڑی بڑی آرائشی جھاڑیاں، اپنی خوشبو سے فضا کو معطر کر رہی تھیں۔ ان پھولوں کی خوشبو میں ایک خاص کشش تھی جو ہر آنے والے کو اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

ہال کے درمیان ایک رن وے تھا۔ جو مختلف روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ رن وے کے دونوں جانب لگی کرسیاں، شاندار غلافوں میں ملبوس تھیں، اور ان پر بیٹھے مہمان، جدید ترین ملبوسات میں ملبوس، ایک دوسرے سے خوش گپیاں کر رہے

تھے۔ہال کی فضا میں ہلکی سی موسیقی کی دھن بکھری ہوئی تھی،جو ماحول کو اور بھی دلکش بنا رہی تھی۔

جوں ہی گھڑی کی سوئیوں نے منزل تک کا سفر طے کرتے ہوئے آٹھ بجائے تو ہال میں جلتے فانوس کی چمک دھندلا گئی۔جبکہ ریمپ پر روشنیوں کا کھیل جاری ہوا۔کبھی یہ روشنی سفید ہوتی تو کبھی رنگین۔اس لمبے ریمپ پر ماڈلز نے اپنی دلکشی کا جادو بکھیرنا شروع کیا۔تمام لوگوں کی نظریں ماڈلز پر جمی تھیں۔جو مختلف ڈیزائنرز کے حسین ملبوسات میں ملبوس تھیں۔ماڈل کی ریمپ واک موسیقی کی دھن پر ہو رہی تھی۔ہال میں مختلف رنگوں اور روشنیوں کا امتزاج ہر چیز کو جاذب بنا رہا تھا۔

سب سے پہلے جن کو لیبوریٹرز کے ماڈلز آئے وہ جینٹس سوٹس بنانے والی کوئی کمپنی تھی۔ماڈلز کے پیچھے بڑی اسکرین پر اب ماڈلز کی تصاویر اور ان کے لباس کی تفصیلات دکھائی جا رہی تھیں۔

ارد گرد موجود لوگ نہایت شوق سے ماڈلز کی ریمپ واک دیکھ رہے ہیں۔ ہر ایک کے چہرے پر حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت نمایاں تھی۔ کہیں کوئی اپنے دوست سے ڈیزائن کی تعریف کر رہا تھا تو کہیں کوئی اپنے موبائل سے ویڈیو بنا رہا تھا۔ میڈیا کے کیمرے ہر حرکت کو قید کر رہے تھے اور رپورٹرز مختلف زاویوں سے شو کی کوریج میں مصروف تھے۔

اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام شریکین کے ڈیزائنز کی نمائش ہو چکی تھی۔

احسن، رستم اسکے ساتھ آئے ڈیزائنزاور، پریم چند تمہیں ریمپ کے سامنے لگی کرسیوں میں سے پہلی قطار میں دائیں جانب بیٹھے نظر آئیں گے۔ نظر موڑ کر بائیں جانب دیکھو تو کہکشاں عدیل، علینہ اور ایک اور لڑکی تمہیں دکھے گی۔

شو ہوسٹر نے انگریزی کی چند لائنوں میں، خان ٹیکسٹائل اور کے کے کریئشنز کے پراڈکٹس ڈسپلے کا اعلان کر دیا۔

پہلی ماڈل جب ریمپ پر آئی تو وہ ایک سیاہ لباس میں ملبوس تھی۔ جس کے کنارے پر سلور رنگ کی آرائش تھی۔اسی کے ساتھ سلور ڈائمنڈ جیولری بھی پہن رکھی تھی۔اس کا اعتماد اور مسکراہٹ لوگوں کے دلوں کو لبھانے میں کامیاب تھا۔ دوسری ماڈل نے سرخ رنگ کا زدہ زیب لہنگا پہنا ہوا تھا اس کی چال میں ایک خاص شان تھی۔اسی طرح باقی کی پانچ ماڈلز ریمپ پر آتی اور جاتی رہیں۔آٹھویں ماڈل کہ آنے کی دیر تھی کہ ہوٹنگ نے ماحول میں انتشار پیدا کیا۔

اس ماڈل نے ایک لمبا، سفید رنگ کا ریشمی گاؤن پہن رکھا تھا۔جس میں سنہری دھاگے سے نفیس کڑھائی کی گئی تھی۔اس کے کندھوں سے نیچے تک نرم لہریں بناتے ہوئے سلائیڈنگ سلیوز تھے۔

اس کے گورے پیروں میں سنہری ہائی ہیلز تھیں۔جو اس کے گاؤن کے ساتھ مطابقت رکھتی تھیں۔جوتوں پر بھی باریک سنہری موتیوں کا کام کیا گیا تھا۔ جو انہیں منفرد بنا رہا تھا۔اس نے نفیس زیورات پہنے تھے۔اس کے کانوں میں

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

چھوٹے لیکن چمکدار ہیرے کے جھمکے تھے۔ سن کسڈ بھورے بالوں کے کچھ حصے کو سنہری پن کے ساتھ پیچھے سے جوڑا گیا تھا۔ جبکہ چند لٹیں اسکے روئی سے گالوں سے ہٹکولیاں کر رہی تھیں۔

اسکے ہاتھ میں ایک سنہری کلچ تھا۔

وہ ایک ادا سے چلتی ہوئی آئی۔ ایک ہاتھ کمر پر ٹکا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں کلچ تھامے، اسے ہوا میں لہرانے لگی۔ وہ گویا سب کو سلام کر رہی تھی۔ اسکی آمد نے ماحول میں چار چاند لگا دیے تھے۔ وجہ اسکی خوبصورتی ہی نہیں بلکہ اسکی مقبولیت بھی تھی۔ وہ پاکستان کی مشہور ترین ماڈل تھی۔ بہت سے برانڈز کے ایڈز دے چکی تھی۔

وہاں موجود لوگوں میں سے کوئی چند ایک ہوگا جو اسکی حیثیت سے ناواقف ہوگا۔

www.novelsclubb.com

وہ ریمپ پر چلتی ہوئی درمیان میں آکر رکی۔ایک فلائنگ کس اچھالتی وہ ماحول میں ایک منفرد تاثر چھوڑ گئی۔ پھر اس نے اپنی واک مکمل کی۔اور چند سیکنڈز کے بعد باقی کی ماڈلز پھر سے ریمپ پر رونما ہوئیں۔آٹھوں ماڈلز نے ریمپ پر چلتے ہوئے خان ٹیکسٹائل اور کے کے کریئیشنز کے پراڈکٹس کی نمائندگی کر دی۔

رستم اعتماد اور یقین سے اپنی نشست سنبھالے ہوئے تھا۔وہ ہاتھ مضبوطی سے احسن کے بازو کو تھامے ہوئے تھا۔یوں کہ جیسے وہ کہ کہیں بھاگ نا جائے۔

چند پلوں کے بعد رزلٹ اناؤنس کیا جانا تھا۔

www.novelsclubb.com

ہال کے ایک طرف ایک بفے بھی لگایا گیا تھا۔جہاں مہمانوں کے لئے مختلف قسم کے لذیذ کھانے موجود تھے۔اب لوگ رزلٹس کے لیے ملنے والے اس وقفے میں وہاں جا کر کھانے سے لطف اندوز ہونے لگے۔کچھ لوگ فیشن ڈیزائنرز سے

مل کران کے کام کی تعریف کر رہے تھے اور کچھ نئے آرڈرز کے بارے میں بات چیت کر رہے ہیں۔

احسن شیرازی اپنی نشست پر ٹکا نا جانے کیوں چپ سادھے ہوئے تھا۔

رستم نے اسے شانے سے ہلایا۔ وہ چپ کر کے بیٹھا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"اوئے، کیا مسئلہ ہے؟" آخر رستم نے پوچھ ہی لیا۔

"کچھ نہیں۔" معمولی سا انداز۔

"کچھ نہیں تو سڑے ہوئے کریلے جیسی شکل کیوں بنا رکھی ہے؟" وہ بھڑک اٹھا۔

"تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے تمہیں نہیں معلوم۔" بے زاری سے آنکھیں گھمائیں۔

www.novelsclubb.com

رستم نے عادت سے مجبور ہو کر بالوں کو سیٹ کیا۔ سوچنے کی سعی کی۔ برا سا منہ بناتے اسے تکا جو منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔

"کیا بات؟" کان کی لو کھجاتے آہستگی میں کہا۔

"تم تب سے میرا بازو پکڑے بیٹھے تھے۔" وہ روہانسا ہوا۔ رستم پل میں پریشان ہوا۔ کیا اس کے بازو میں درد تو نہیں تھا؟

"ہاں تو کیا ہوا بازو کو۔ دکھاؤ۔ درد ہے؟" اسکی کہنی کو اپنے ہاتھوں کی نرم گرفت میں لیا۔

"نہیں ادھر درد نہیں ہے۔" ناراضی سے بازی چھڑانا چاہا۔

"پکڑا تو میں نے بازو ہی تھا۔ رونی صورت بنائے بیٹھے ہو، پھر ادھر کیوں درد نہیں ہے۔؟" رستم کو معاملہ اسکی سمجھ سے باہر نظر آنے لگا۔

"کیونکہ یہ کھانا نہیں کھاتا۔" خفگی سے سر جھٹکا۔

رستم جل کر رہ گیا۔ سر پیٹنے کی کثر رہ گئی تھی۔ ورنہ شاک تو بہت گہرا تھا۔

'تمہیں کھانے کی پڑی ہے۔؟"حیرت سے پوچھا۔

"جانتے بوجھتے یہ سوال ؟۔"

"اف خدایا"رستم نے پیشانی مسلی۔

"جاؤ کھالو کچھ۔"رستم نے اسے دیکھا جو ابھی اسے کسی مہلک بیماری کا مریض معلوم ہو رہا تھا۔

"تم نہیں آؤ گے۔"چہرا کھل گیا۔لبوں پر مسکراہٹ نے بسیرا کر لیا۔

"نہیں تم جاؤ۔"زبردستی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

احسن کھانے کے لیے لگے ہوئے بفے کی جانب بڑھ گیا جبکہ رستم ایک معروف ہستی کے پاس کھڑے اقبال شیرازی کی جانب ہو لیا۔

www.novelsclubb.com

اقبال شیرازی نے رستم کو اس شخص سے متعارف کرایا اور ان کے درمیان گفتگو کا آغاز ہوا۔اس سے نظر ہٹا کر دیکھو تو لوگ ڈسپلے باکسز میں لگے ہوئے ڈیزائنز کو اشتیاق سے دیکھ رہے تھے۔کہکشاں ادھر نہیں تھی شاید وہ کو لیبوریٹرز کے روم میں عبداللہ سے بات کرنے کے لیے چلی گئی تھی۔عدیل ایک بفے کے پاس کھڑا پلیٹ میں سیلڈ ڈالے کھا رہا تھا۔

کچھ معروف شخصیات بھی تھیں جو اس فیشن شو کی رونق بڑھا رہی تھیں۔

بہت سے لوگ سفید ریشمی گاؤن پہنے ہوئے لڑکی کے ساتھ سیلفیاں بنانے میں مصروف تھے۔شو کے رزلٹس میں بس دس منٹ باقی تھے۔رستم نے بفے کے پاس کھڑے احسن شیرازی کو صدیوں کے بھوکوں کی طرح کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو اس کی جانب قدم بڑھائے۔

رستم چلتے ہوئے اسکے قریب آ کھڑا ہوا۔

احسن اب آئسکریم کھا رہا تھا۔

"لو گے۔" چمچ اسکی جانب کیا۔

اسکا خوشی سے چمکتا چہرہ رستم کو بہت بھایا۔ مگر وہ ان احساسات کو دبا گیا۔

"یہ شوکس نے آرگنائز کیا ہے؟" اسے ندیدوں کی طرح کھاتے دیکھ سنجیدگی سے پوچھا۔

"ڈیڈ نے" آئس کریم کھاتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

"یہ محفل اپنی ہے ادھر تو شریفوں کی طرح کھالو۔" انداز یوں تھا جیسے التجا کر رہو ہو کہ بیٹا کم کھاؤ اپنا ہی مال ہے۔

احسن نے اسے ہاتھ سے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ رستم نے اسکا مطلب سمجھتے ہوئے کان آگے کیا۔

"جس بھی محفل میں کھانے کو لے کر شرافت دکھائی ہے الحمدللہ بھوکے ہی لوٹ کر آئے ہیں۔" رستم نے تیر کی تیزی سے کان پیچھے کیا۔ اس جواب کی توقع

اسے بلکل نہیں تھی۔کیوں نہیں تھی؟خود کو کوسا۔احسن سے وہ سنجید گی کی امید کیسے رکھ سکتا تھا۔رستم نے آنکھیں گھمائیں۔

"آئی نو تمہارا من ہو رہا ہے کھانے کا۔اور بس تھوڑی عزت آڑے آرہی ہے۔"رستم کا دل کیا کہیں دور پرواز کر جائے۔

"میرے ہاتھ سے کھانا ہے آئی نو۔اتنا تو جانتا ہوں تمیں۔پیار جو کرتا ہوں۔"آنکھ دباتے ہوئے فرضی کالر جھاڑا۔

"احسن میرا بالکل۔۔۔۔۔"رستم کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی چیچ منہ میں ٹھونس دیا۔رستم نے بے اختیار آئس کریم نگلتے ہوئے اسے خفگی سے دیکھا۔

"بد تمیز۔"دل کی آواز دل میں ہی دب گئی وہ منہ سے کچھ نا بولا۔

"نہیں نہیں پبلک پلیس میں کوئی بد تمیزی نہیں۔"احسن نے پلکیں جھپکائیں ۔اسکے بے آواز،الفاظ بھی وہ سمجھ جاتا ہے وہ یہ کیسے بھول گیا؟۔

رستم کو اب اس وقت پر پچھتاوا ہوا جب وہ اسے دیکھے اسکی جانب بڑھا تھا۔

احسن نے اسکے بگڑے تیور۔دیکھتے ہوئے چلتی زبان کو بریک لگانے کا سوچا۔

وہ آئس کریم ختم کرنے تک خاموش رہا۔رستم نے ایک پل کے لیے بھی نظر نہیں ہٹائی۔یوں جیسے وہ اسکے نوالے گن رہا تھا۔

جونہی آئس کریم ختم ہوئی احسن نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"چلیں جانو۔" مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لیے واپس اپنی جگہ کی جانب بڑھ گیا۔

رستم بے اختیار اسکے ساتھ چل پڑا۔

وہ اسکی حرکتوں سے اکتا ضرور جاتا تھا۔مگر احسن اسے یونہی اچھا لگتا تھا۔وہ اسے ابھی بھی اچھا لگا تھا۔

تمہیں بھی لگا۔ہے ناں؟؟

رستم اور احسن اپنی جگہوں پر آن بیٹھے۔سب لوگ وہاں موجود تھے۔رستم کی نظریں اقبال شیرازی کو تلاش رہی تھیں۔اس نے گردن گھماتے ہوئے چاروں اوڑھ دیکھا۔پھر بالآخر وہ اسے کہکشاں کے ہمراہ چلتے ہوئے دکھائی دیے۔ فیشن ایونٹس کے دلدادہ لوگ بھی اپنی نشستوں پر براجمان تھے۔نتائج کا اعلان اقبال شیرازی نے کرنا تھا۔سب دم سادھے بیٹھے تھے۔

چند منٹ بعد ریمپ کہ عقب میں نسب سکرین میں ان کا عکس اور اسی کے سامنے ہاتھ میں مائک تھامے خفیف ہنسی لیے اقبال شیرازی کھڑے تھے۔ہال میں خاموشی چھاگئی۔ابتدا میں انہوں نے انگریزی کے چند جملے پیش نظر کیے جس میں آنے والوں کو اظہار تشکر کے ساتھ ساتھ سب کے پروڈکٹس کی تعریف کی۔

"ہیلو ایوری ون مجھے خوشی ہے کہ آپ سب اس فیشن شو کا حصہ بنے اور اپنی موجودگی سے اس کی رونق کو مزید بڑھایا۔" انگریزی کی چند سطور بطور شکریہ۔

رستم کی آنکھوں میں ٹمٹماتے دیوں کی روشنائی تھی۔نتائج بھیانک ہوتے ہیں۔اس کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا۔

"سب کے پیش کردہ پروڈکٹس قابل آفرین تھے مگر جیت اور ہار کے میدان میں اگر ایک جیتا ہے تو دوسرے کو ہارنا ہی پڑتا ہے۔" انداز پروفیشنل سا تھا۔

آرگنائزر کو کسی کی ہار جیت سے کیا سروکار ہو گا بھلا؟

"سب سے پہلے بات کرتے ہیں انفرادی کامیابی کی۔" شوز برانڈ میں سے...

"**بیسٹ ایمجنگ ڈیزائن ایوارڈ گوز ٹو...**" وہ رکے عینک کے پیچھے سے ہال میں نظر دوڑائی۔ہر وجود دل تھامے بیٹھا تھا۔

"منزہ کولیکشن"۔تالیوں کی گونج۔اور جیتنے والوں کی ہوٹنگ۔ماحول میں شور سا اٹھا۔

ایک عورت سیڑھیاں چڑھتی سٹیج پر آئی تھی۔باب کٹ کیے بال، مغربی طرز کے لباس میں ملبوس گندمی رنگت والی عورت۔

"شکریہ" جھک کر کہتے اس نے ایوارڈ تھاما۔پھر اسے اونچا کیے چند جملے ہال میں بیٹھے لوگوں کے لیے کہے اور واپس اترتی گئی۔

اگلا ایوارڈ جیولرز کے لیے تھا۔

ہال میں موجود ہر شخص اس شخصیت سے واقف تھا۔

کے کے نام کی ہوٹنگ نے ماحول میں شور پیدا کر دیا۔ہمیشہ کی طرح جیت ہی اس کا مقدر تھی۔

"بیسٹ فیشن فیوژن ایوارڈ گوز ٹو آئی جی جی کمپنی۔"

سب کی توقع کے برعکس الفاظوں نے کانوں میں زہر گھول دیا۔تمام لوگ بھونچکارہ گئے۔

بدر حسین فاتحانہ انداز میں گردن اکڑائے، باچھیں کھلاتے ہوئے سٹیج پر آیا تھا۔

وہ جو کے کے کریئیشنز کے ساتھ مل کر اپنے پراڈکٹس ڈسپلے کرتے ہوئے بزنس کو بلندیوں پر لے جانے کا خواہش مند تھا۔ ہر فیشن ایونٹ میں ایوارڈ وصول کرنے والی لڑکی کے متبادل پر تھا۔ سب حیران تھے۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

طائرانہ نگاہ سب پر دوڑاتے اس نے کہکشاں کو حقارت آمیز گھوری سے نوازا۔ کے کے کی نگاہیں بے تاثر تھیں۔

چہرہ یہ جتا رہا تھا کہ اسے کوئی پروا نہیں۔ وہ کیوں پرواہ کرنے لگی؟

اگلا ایوارڈ ٹیکسٹائل کمپنی کا تھا۔ وہاں بہت سی ٹیکسٹائل کمپنیوں نے اپنے پراڈکٹس کی نمائندگی کی تھی۔ رستم کی پیشانی پر چند قطرے ٹھہر گئے۔

"بیسٹ انو ویٹو ڈیزائن ایوارڈ گوز ٹو خان ٹیکسٹائل۔" تیسرے فاتح کا نام لیا گیا۔

رستم کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔ تالیوں کی گونج اٹھی اور احسن کے جھنجھوڑنے پر اس کا طلسم ٹوٹا۔ وہ پھولے تنفس کے ساتھ سٹیج پر گیا تھا۔ اس کے لبوں پر دلربا تبسم تھا۔ جس نے احسن کا دل موہ لیا۔ خان ٹیکسٹائل کے "میر لشکر" نے ایوارڈ لیتے ہوئے بمشکل آنسوؤں پر بندھ باندھے رکھا۔

پھر اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے مائک تھاما۔ ماں کے خدشات کو مات دی گئی تھی۔ مات بھی اس ذات نے دی تھی جو چاہے تو بشر جگ کا فاتح، نا چاہے تو زرے سے شکستہ۔

"تھینکس ٹو اللہ۔"

"تھینکس ایوری ون فار دس۔"

ایوارڈ کو تھوڑا سا بلند کیا۔اسکی آنکھوں میں کوئی شے چمکی تھی خوشی کی نمی یا روشنیاں بکھیرتے قمقموں کا فسوں تھا۔

"تھینک یو۔" یہ تشکر کہکشاں کو کیا گیا تھا۔اس نے احترام سے، عزت سے، تابعداری سے گردن کو خم دیتے ہوئے کہا تھا۔جواباً کہکشاں نے محض پلکیں جھپکائیں۔اسکا تو اتنا بھی بہت تھا۔احساس تشکر رستم پر غالب آنے لگا۔رستم ابھی سٹیج پر ہی کھڑا تھا کہ اقبال شیرازی نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"جیسے کہ یہ ایونٹ کولیبریٹو تھا۔سو سب سے زیادہ جن کی کلیبوریشن نے دھوم مچائی وہ۔۔" وہ رکے۔کولیبریٹو کے نام پر سامعین نے ایک دوسرے کو تکا۔

"وہ جو ہمیشہ جیت جاتی ہیں۔" سسپینس پھیلایا گیا۔رستم نے انہیں دیکھا۔

"کے کے کریئیشنز اینڈ خان ٹیکسٹائل" پرجوش بلند آواز۔

رنگ برنگی لائٹوں میں جگمگاتا ہوا اسکرین پر لکھا گیا۔ رستم کے لبوں پر کراماتی مسکراہٹ ابھری۔ کہکشاں اپنی نشست سے اٹھ کر سٹیج کی جانب بڑھ گئ۔ رستم خوش تھا مگر اس کے بر عکس کے کے سنجیدہ اور بے نیاز تھی۔

"تھینکس" رستم نے مائک میں کہا تھا۔

کہکشاں نے مائک تھاما۔

"Thanks but no thanks, because we deserve it"

انداز شاہانہ تھا۔ رستم کو اسکی زبان سے we کا لفظ بہت بھایا تھا۔ کیوں؟ وہ سمجھ نہیں پایا۔

ایوارڈ کو ہوا میں ہلکا سا بلند کیا۔ رستم کا ہاتھ بھی بے اختیار اوپر کو ہوا۔ اس نے کہکشاں کی جانب دیکھا۔ ایک نرم سی نگاہ۔

لب کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مگر وہ خاموش رہا۔ خاموش رہنا بہتر تھا۔ متعدد فلیشز کی زد میں انہیں کیمروں میں مقید کیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی جگہوں کی جانب بڑھ گئے۔ رات کے سنہری پل اختتام کو پہنچ گئے۔

احسن رستم کے لیے خوشی سے چمکتا چہرہ لیے کھڑا تھا۔ رستم نے اسے گلے لگایا۔ اسے دیکھا کہ مبادہ وہ اسے مبارکباد دے گا مگر وہ خاموش تھا۔ "کچھ کہو گے نہیں؟۔"

"میں بہت خوش ہوں.. میں بہت خوش ہوں۔" وہ چہکتے ہوئے بولا۔ رستم کا دل سرشار ہوا۔

"میری پارٹی پکی۔ جو جو بولوں گا وہ سب کھلانا پڑے گا۔ نو کنجوسی۔" جہاں وہ کھل کر مسکرایا تھا رستم کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ رستم کے اڑے رنگ دیکھ کر پھر سے بولا۔

"او ہیلو میرے حق پر ڈاکہ مارنے کی کوشش بھی کی تو تم احسن شیرازی کا نیا روپ دیکھو گے۔" رستم تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

"ہاں ہاں کھالینا۔ کام کے نہ کاج کے دشمن اناج کے۔ اس نے سلگ کر کہا کہ شاید اب وہ سنجیدہ ہو جائے گا۔

احسن نے لاپرواہی سے ہاتھ اوپر اٹھائے۔

"جو بھی کہو نو پرواہ۔" بتیسی دکھاتے ہوئے وہ پھر سے رستم کو لاجواب کر گیا۔

www.novelsclubb.com

اقبال شیرازی نے کہکشاں کو مبارکباد دی۔

"آپ نے یہ کیوں کیا؟ اس کی حقدار آپ تھیں۔ کیا میں جان سکتا ہوں؟" انہوں نے سوال داغا۔

"آپ نے جو کیا اس کے لیے شکریہ۔کے کے اپنے کسی فیصلے کی وضاحت نہیں دیتی۔" گردن تان کے کھڑی کے کے نے اپنے ازلی مغرور لہجے میں کہا ۔اقبال شہزادی لب بھینچ کر رہ گئے۔

اب انہوں نے کوئی مزید سوال نہیں کیا۔چپ ہی بہتر تھی۔

"باس فلائٹ کا ٹائم۔"عدیل نے رسٹ واچ پر نظر دوڑاتے اطلاع دی۔

"ڈنر کر کے جاتے۔"اقبال شیرازی کے کے سے مخاطب تھے۔وہ جانتے تھے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

"نو،نو پرابلم۔"کے کے نے دور سے ہی سبز جھنڈی لہرائی۔وہ ایسے ایونٹس میں سے کچھ نہیں کھاتی تھی۔

"نائس ٹو میٹ یو"اقبال شیرازی کے ہاتھ بڑھانے پر کے کے نے مصافحہ کرتے "same here" کہہ دیا۔

اس کے بعد کہکشاں اور اس کے ہمراہ آئے لوگوں نے شیرازی فیشن ہاؤس کی رونقوں کو خیر آباد کہہ دیا۔

دوسری جانب رستم کو دیکھو تو وہ احسن کے ساتھ کھڑا تھا۔ دائیں ہاتھ کی انگلیاں مستندی سے موبائل سکرین اسکرول کر رہی تھیں۔ سوشل میڈیا پر ایونٹ کی تصویریں اور ویڈیوز وائرل ہو چکی تھیں۔ مقامی نیوز چینل اور فیشن میگزینز نے اس ایونٹ کو خصوصی کوریج دی تھی۔ جس نے چند گھنٹوں میں اسے متعدد شہروں میں مقبول کر دیا تھا۔

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا میری دعاؤں اور محنت کا اتنا خوبصورت نتیجہ ملے گا۔" وہ خوشی سے لبریز لہجے میں بولا مگر آواز بھرائی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے چھلکتی خوشی کی نمی کو دیکھتے احسن مسکرایا۔

"یہ صرف ایک آغاز ہے۔" اسکے کندھے کو تھپکتے سراہا۔ رستم نے سر کو اثبات میں ہلایا۔ اچانک احسن رستم کو دیکھتے ہوئے یک ٹک سامنے دیکھنے لگا۔ سفید ریشمی گاؤن پہنے وہ لڑکی ان کی جانب آرہی تھی۔ رستم نے بھی احسن کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ مسکراتے چہرے کے ساتھ وہاں آکر رکی۔

"ہائے۔۔" کہتے ہی ہاتھ آگے بڑھایا لیکن اسکا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ وہ اپنی خفت مٹاتی اسے پیچھے کھینچ گئی۔

"ہیلو۔" رستم نے بنا مصافہ کیے کہا۔ وہ عورتوں سے مصافہ نہیں کرتا تھا۔ زوہا کا چہرہ شرمندگی سے لال ہوا۔

"میں زوہا.... زوہا رحمان۔" ایک مان سے خود کو متعارف کرایا۔

"رستم طیار خان۔" وہ بھی بول اٹھا۔ ان دونوں کو بات کرتے دیکھ احسن جل بھن کر رہ گیا۔

"احسن شیرازی۔" وہ ہاتھ سینے پر رکھے تھوڑا سا جھکا کہ مجھے بھی دیکھو اچھا خاصا تو دکھتا ہوں۔ وہ پیچھے کیونکر رہتا بھلا۔ زوہا محض اسے دیکھ کر مسکرائی اور پھر آرٹی کی جانب متوجہ ہوئی۔ رستم کو اس کی نظروں سے کوفت ہوئی وہ اسے دیکھ کم اور گھور زیادہ رہی تھی۔

"مجھے بہت خوشی ہوئی۔" وہ رکی نظروں سے ایوارڈ کی جانب اشارہ کیا۔ جسے اس نے ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ "کانگریچولیشنز۔" اس نے مبارک باد دی۔

"شکریہ۔" رستم نے بات ختم کرنا چاہی۔ اسے اس لڑکی سے بات کرنے میں دلچسپی نہیں تھی۔

"یہ سب کرامات کے کے کریئیشنز کی ہیں ورنہ خان ٹیکسٹائل کی پوزیشن کسی سے چھپی تھوڑی ہے۔" وہ مبارکباد دینے آئی تھی یا مندمل ہوتے زخم کریدنے۔ احسن نے دانت پیسے۔ رستم محض سر ہلا کر رہ گیا۔

"آپ کو آئندہ بھی ان سے کو لیپ کرنا چاہیے۔ بیچاری آپ کی مدد کرنے کے چکر میں اپنے ایوارڈ سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ آپ کو معلوم ہے ہر ایونٹ میں انہیں بیسٹ ڈیزائنر کا ایوارڈ ملتا تھا۔ اس بار بدر حسین بازی لے گئے۔" کہتے ہوئے وہ خود ہنسی۔ رستم کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ کوئی ہنستے ہوئے اتنا برا بھی لگ سکتا ہے؟ احسن نے سلگ کر سوچا۔

"جی ہم ایسا ہی کریں گے۔ مشورے کا شکریہ۔" رستم کی بجائے احسن بول پڑا اسے یہ لڑکی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔

"ہو گیا آپ کا؟۔" قہر بار مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے پوچھا گیا تھا۔ زوہا نے اس کی باتوں پر دھیان نہیں دیا۔

"نائس ٹو میٹ یو۔" وہ رستم کو کہہ رہی تھی۔

"سیم ودمی۔" رستم نے بولا ہی تھا کہ وہ رستم کے دائیں گال کو چٹکی میں بھر کر کھینچ گئی۔ "ہاؤ نائس۔" کہتے ہوئے وہ پلٹ گئی۔ رستم ہکا بکا اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"یہ ماڈل ماموں نے آرگنائز کی؟۔" شاک اور صدمے کی کیفیت سے احسن کو دیکھتے ہوئے وہ بے اختیار سوال کر گیا۔

"شکل سے ہی مشکوک لگتی ہے۔یو ایچ یو(UHU) کہیں کی۔" احسن اس سے زیادہ صدمے میں تھا.

"یو ایچ یو؟" رستم کو حیرت ہوئی۔

"ہاں اور نہیں تو کیا چپکو کہیں کی۔ سڑی ہوئی کریلی۔" زہر خند لہجے میں وہ کہتا ہوا رستم کو بہت بھایا۔اب وہ کورٹ کی جیب سے اپنا رومال نکالے اس کے گال پر رگڑ رہا تھا۔رستم کی نظر ہال میں چلتی ہوئی زوہا پر تھی۔احسن اسے دیکھتے ہوئے رخ موڑے سیدھا ہوا

"تمھیں رنگ پسند ہیں؟۔"

رستم نے زوہا سے نظریں پھیرتے حیرت سے اسے تکا۔"کیوں تمھیں نہیں معلوم۔"اس وقت بے تکے سوال پر رستم دانت پیس کر رہ گیا تبھی تپ کر بولا۔

"ہمم۔۔۔"اس نے تائید میں سر ہلاتے انگلی کو تھوڑی پر رکھا۔

"Sometimes black is better "

انگلی کو تھوڑی پر حرکت دیتے وہ کسی سوچ کے زیر اثر بولا۔

"واٹ؟؟۔"رستم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔اب کی بار احسن نے فرش سے ہٹا کر نظریں رستم کے چہرے پر جمالیں۔

"بلیک والی زیادہ اچھی تھی۔"مسکراتے ہوئے کہہ کر آنکھ دبائی۔

رستم نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔کہکشاں کا چہرہ آنکھوں کے سامنے چھایا اور وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس بات پر احسن سے اتفاق رکھتا تھا۔کیوں؟؟؟

www.novelsclubb.com

اسکے پاس اس کیوں کا جواب نہیں تھا۔

فلک پر سیاہی بھر گئی تھی۔ ہوا سے سرسراتے پتوں،اور سڑک پر اکادکا گاڑیوں نے رات کے اس پل سکوت میں خلل ڈالا تھا۔ فلک پر ستارے جھلملا رہے تھے اوران کے بیچوں بیچ چاند چمک رہا تھا۔اسی پل،اسی لمحے،چاند کی تابانی میں ایک عمارت کے ٹیرس پر زرد روشنی میں اپنی ڈائری پر جھکے وہ معمول کے مطابق الفاظ گھسیٹ رہی تھی۔ سیاہ بال چوٹی میں گندھے اور آوارہ لٹیں گالوں کو چھو رہی تھیں۔ ٹیرس کے ارد گرد پودوں اوران پر لگے پھولوں کی مہک نے فضا کو عطر آگیں کرر کھا تھا۔رات کے اس صبیح لمحے میں وہ دنیاوی افکار سے آزاد ہو کر موجودہ لمحے کو جی رہی تھی۔

مجھے قدرت سے محبت ہے۔

ہاں مجھے محبت ہے

رات کی کہانی سے

چاند کی تابانی سے

پانیوں کی روانی سے

پھولوں کی مہک سے

اور بھنوروں کی شیطانی سے

فلک کی وسعت سے

پہاڑوں کی بلندگانی سے

مجھے قدرت سے محبت ہے

ہاں مجھے محبت ہے۔

میں امن پسند لڑکی ہوں۔مجھے رزم سے اختلاف ہے اور نفرت بھی۔

کیونکہ میرا نام..... قلم ورق پر رقصاں تھا۔اچانک ہوا کا تیز جھونکا آیا۔

"امن۔" عقب میں آواز گونجی۔اس کا نام پکارا گیا تھا۔اس کے ہاتھوں کی حرکت تھم گئی۔اور دل کی دھڑکن بھی۔ چلتی ہوا نے دم سادھ لیا۔چہرے پر جھولتی لٹیں ساکت ہوگئی۔سب جامد۔سب صامت۔اس آواز کو وہ پہچانتی تھی۔

اگر تو یہ تخیل تھا تو معجزے سے کم نہیں تھا اور اگر حقیقت تھی تو کوئی وحی تھی جو اس پل اس پر نازل ہوئی تھی۔وہ چند لمحے چند گھڑیاں شل سی بیٹھی رہی۔ مبادہ کہ آواز پھر سے سماعت سے ٹکرائے گی۔ مگر نہیں۔ محب کا تخیل ٹوٹ گیا ۔محبوب کی آواز خیال بن کر رہ گئی۔ پھر سے قلم پر گرفت مضبوط کی۔

"کیونکہ میرا نام..."اپنی لکھی سطر کو دہرایا۔نوکِ قلم کو ورق پر رکھا۔

"امن۔"آواز پھر گونجی۔دھڑکنیں ساکت تھیں یا منتشر وہ سمجھ نہیں پائی۔ اب کی بار اس نے قم کو میز پر پٹخ دیا۔دھڑکتے دل کے ساتھ گردن موڑی۔وہ کھڑا تھا۔باخدا وہ کھڑا تھا۔چند قدموں کے فاصلے پر متبسم چہرہ لے۔ چمکتی آنکھیں لیے۔وہ یک ٹک مجسمہ بن کر اسے دیکھے گئی۔خوشی تھی یا حیرت؟

وہ چہک پائی نہ متحیر ہو سکی۔ تخیل میں وصل محبوب تھا یا وہ حقیقت کا روپ دھارے سامنے تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"کیسی ہو؟" سامنے کھڑے وجود نے چٹکی بجاتے ہوئے اسے سوالیہ نظروں سے تکا۔ وہ سکتے سے باہر آ گئی۔

بارہ سال سے منتظر امن شیرازی نے آج اسے اپنی نگاہوں میں قید کرنا چاہا یوں کہ وہ کبھی اسے رہائی نہ دے۔

"ٹھیک ہو؟" وہ اب اس کی حالت پر ہنس پڑا۔ ہائے۔۔۔ اس کی ہنسی دل موہ لینے والی تھی۔ اس نے بولنے کی سعی کی۔ لب کپکپائے مگر الفاظ ادا نہ ہوئے۔

بارہ سالوں سے پنوں پر محیط گفتگو۔ آئینے کے مقابل رٹے جملے، شکوے سب کھو سے گئے۔

وہ کچھ بول نہیں سکی۔

محب کو محبوب کی مہربانی پر یقین نہیں آیا۔

آتا بھی کیسے ؟ سفاک مہربان ہو تو اعتبار مشکل سے آتا ہے۔

یا بلکل نہیں آتا۔ کیا اسے اعتبار آ جائے۔؟ "امن۔" اس نے تحیر زدہ ہو کر پھر سے پکارا۔ بارہ سال کی ترسی آنکھوں کو دید کا موقع ملا تھا۔ وہ پلکیں جھپکانے سے گریز برت رہی تھی۔ آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔

"رستم۔۔" اس نے پکارنا چاہا۔

الفاظ آنسوؤں کا گولا بن کر حلق میں ہی اٹک گئے۔

وہ آنسو بہائے یا نہ بہائے ؟

ایک باغی آنسو پلکوں کی حد عبور کرتے اس کے گال پر بہہ گیا۔ وہ سر جھکا گئی۔ ہاتھ کی پشت کو گال پر رگڑا۔ جلدی سے۔ بے بسی سے۔ بے دردی سے۔

www.novelsclubb.com

اس نے بمشکل ہمت مجتمع کی۔ گردن تان لی۔ نظریں بھوری آنکھوں میں گاڑھ لیں۔

"میں اچھی ہوں۔آپ....آپ کیسے ہیں؟"فراوانی سے جملہ ادا کیا۔ مسکراہٹ لبوں پر سجالی۔حقیقتا تو وہ خوش تھی۔

"تمہارے سامنے ہوں۔" باہوں کو اطراف میں پھیلاتے وہ ایک ادا سے بولا.خوشی سے چہک کر۔

"اچھے ہیں۔"تصدیق تھی یا اظہار؟لہجے سے اندازہ لگانا مشکل تھا۔وہ ویسا ہی دکھتا تھا جیسا پہلے تھا۔نرم دل،جلد یقین کرنے والا، محبتیں لٹانے والا، مسکرانے والا اور دل چرانے والا۔

وہ اس سے لپٹ نہیں سکتی تھی۔اسے یہ حق نہیں ملا تھا ابھی تو نہیں۔شاید کبھی قسمت اسے اس حق سے نوازتی۔مگر سرمئی آنکھوں کا بھوری آنکھوں سے

ملن عروج پر تھا۔فلک پر چمکتے مہتاب نے امن شیرازی کی نگاہوں میں رقم داستان محبت کو اپنے دل پر نقش کر لیا۔

"آپ کا ہو گیا تو میں آؤں۔؟"وہ وہاں پہنچ کر اجازت طلب کر رہا تھا.امن نے اسے دیکھا۔اسکی آنکھوں سے آبشار بہنے لگی۔وہ جو شل قدموں سے بت بنے کھڑی تھی. بھاگنے کے انداز میں اس سے لپٹ گئی۔جن آنسوؤں کو چھپانا چاہتی تھی انہیں عیاں ہونے دیا۔سسکیوں کی زد میں وہ کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

"آئی مسڈ یو...آئی مسڈ یو۔"

اس نے اسکے سر پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔وہ خاموش تھا۔احسن متحیر سا اپنی جگہ تھم گیا۔غیر متوقع لمحے میں ہر وقت بن بات کے لمبی لمبی ہانکنے والے کو زبان سے ایک لفظ ادا کرنا بھی محال لگا۔اسکی خاموشی پر سینے سے سر اٹھائے امن نے اس کے چہرے کو دیکھا۔احسن کی آنکھوں میں چندھیا دینے والی چمک تھی۔یہ اظہار کس کے لیے تھا کاش کہ وہ سمجھ لیتا۔

احسن کی دھڑکنیں بے قابو ہوئیں۔ وہ محب تھی تو وہ بھی محب تھا۔ مگر محبوب دونوں کے مختلف تھے۔ دونوں نفوس میں محبت بے ترتیب تھی۔

"مجھے یاد کیا خیریت تھی۔؟" اسکے سوال پر امن اپنے حواسوں میں لوٹ آئی۔

"تم نے بھی مجھے یاد کیا ہوگا۔ زیادہ بنو مت۔" بے یقینی کا سفر تمام ہوا تھا۔ وہ خود کو اس حقیقت کا حصّہ جان چکی تھی جس میں رستم تھا اور بہار تھی۔

"استغفرُللہ..." احسن نے اسے خود سے زرا فاصلے پر کیا۔ چند قدموں کی دوری پر کھڑے رستم نے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔ مجال تھی یہ لڑکا اظہار کر دیتا۔

"اتنے برے دن نہیں آئے میرے۔ جو اپنی محبوبہ کو چھوڑ کر تمہاری یاد میں غرق رہوں۔"

امن کو اس پل بھی ہمیشہ کی طرح اسکی محبوبہ پر غصہ چڑھا تھا۔

"تم اور تمہاری محبوبہ بھاڑ میں جاؤ۔"

"ہاں تمہارا تو گھر ہے وہاں۔ کیسی جگہ ہے۔ اچھی ہے کیا۔؟" امن سے اس بار کوئی جواب نا بن پایا۔ وہ بس ماتھے پر تیوری چڑھائے اسے گھور ہی سکی۔

چند سیکنڈز خاموشی کی نظر ہوئے۔

"گھر آئے مہمان کو کچھ کھلاؤ، پلاؤ گے ؟" وہ جو کب سے ان چند گھنٹے سے بچھڑوں کا جزباتی ملن دیکھ رہا تھا بلاآخر بول ہی پڑا۔

"ہمارے ہاں رواج نہیں۔" وہ فی الفور جواب دے گیا۔

"یہ بے تکا روج کس نے بنایا۔؟" رستم نے بازو پر لٹکتے کوٹ کو ہاتھ میں تھاما ۔اپنے اور ان دونوں کے مابین فاصلہ ختم کرتے ہوئے وہ ان کے قریب آن رکا۔ اسے شاید واقعی ہی کھانے کی طلب تھی یا وہ ماحول بدلنا چاہ رہا تھا دونوں میں سے کوئی بھی نا سمجھ پایا۔

”میں نے۔“

ٹکا سا جواب دیا۔

"بے تکے انسان سے بے تکے رواج کی ہی امید کی جا سکتی ہے۔" وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔ پھر ہنسا۔

"ہاہاہا۔ آئی نیور فیل۔" وہ تھوڑی کسی سے کم تھا۔ اسکی نقل اتارتے ہوئے وہ بھی اسی کے انداز میں ہنسا۔ جتایا گیا کہ جتنا بے عزت کرنا چاہو کر لو میں بھی ڈھیٹ ہوں۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔

"آئی نو۔" وہ بھی بلاتا خیر بولا۔ امن کو فکر نے آن گھیرا۔ وہ چند قدم پیچھے لیتے ہوئے ہاتھ چہرے پر پھیرنے لگی۔ لٹوں کو کانوں کے پیچھے اڑسا۔ اس نے رستم کی جانب دیکھا۔

"چلیں کھلاتے ہیں۔" وہ ان کے عقب میں بنے اندرونی دروازے کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"چل بیٹا سن لی گئی تیری بھی۔" احسن رستم کو کندھے سے تھامتا آگے چل پڑا۔

ان دونوں کو جاتے دیکھ امن کا ہاتھ بے ساختہ دل پر جا پڑا۔ بے ترتیب دھڑکنوں کے ساتھ وہ پلٹی۔ ڈائری اٹھائی اور سبک روی سے وہ بھی ان کے تعاقب میں چل پڑی۔

وہ چمکتے چاند، سیاہ فلک، ٹمٹماتے تاروں کو وہیں چھوڑ گئی۔ سب نظارے حسین تھے مگر اس دل کے مکین سے کم۔

وہ دونوں ہال میں رکھے صوفوں پر بیٹھے تھے۔ سفید ماربل فلور اور کشادہ ہال میں سنہری صوفوں کے وسط میں حائل شیشے کی میز پر روشنی کے زیرِ اثر بنتے ہوئے اسکے عکس پر وہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔اُس کے بر عکس وہ براہِ راست اسے دیکھ رہا تھا۔

جامنی سفید چکن کاری والی قمیض اور ہمہ رنگ ٹراؤزر میں ملبوس امن شیرازی سفید رنگی دوپٹہ سر پر اوڑھے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ مڑی ہوئی پلکوں، سرمئی آنکھوں کی حامل، گندمی رنگت والی لڑکی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے قدرے بے چین دکھائی دے رہی تھی۔

"جب تمہیں آخری بار دیکھا تھا کتنی چھوٹی تھی تم۔" وہ جو نظریں جھکائے بیٹھی تھی اب کی بار اس نے رستم کو تکا۔ وہ صبیح تھا۔ محبوب تو صبیح ہی لگتے ہیں ناں۔

www.novelsclubb.com

"تب آپ بھی چھوٹے تھے۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ حسبِ توقع وہ بھی مسکرایا۔

"پھر بھی تم مجھ سے چھوٹی تھی ناں۔" انداز میں وہی اپنائیت تھی جو برسوں پہلے تھی۔

"وہ تو میں اب بھی ہوں۔" کندھے اچکاتے ہوئی بولی۔ وہ خوش نظر آرہی تھی۔ ہشاش بشاش۔

رستم نے مسکراتے ہوئے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ کہہ تو وہ صحیح رہی تھی۔ وہ عمر میں اس سے چھوٹی تھی عمر کے کسی بھی حصے کو پہنچ کر اس سے چھوٹی ہی رہتی۔

"کیا کرتی رہی اتنے سال؟۔" اس سوال پر اسکے ہشاش بشاش مکھڑے پر اداسی کا زرد رنگ امنڈنے لگا۔ کتنی آسانی سے وہ ان سالوں کا حساب مانگ رہا تھا۔ آنکھوں میں تلخ یادوں کی کرچیاں چبھتے ہوئے اسے درد دینے لگیں۔ دماغ نے

ماضی کو دہراتے ہوئے آنکھوں کے پردے پر دردناک مناظر چلادیے۔لاتعداد پکاریں،اوران گنت سسکیاں اسکے کانوں میں گونجنے لگیں۔ان سالوں میں بسے وہ لمحے جن میں وہ اسکی منتظر تھی اسے ازیت دینے لگے۔اس کا جی بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہا۔

وہ ماضی....اسکے آنسو....اسکی چیخیں...اسکاانتظار۔

وہ سب جذبات چھپا گئی۔سب خواہشیں دبا گئی۔اس نے سسکیوں کا گلا گھونٹ دیا۔

"انتظار...."وہ کہنا چاہتی تھی کہ ان بارہ سالوں میں امن شیرازی نے اس کا انتظار کیا تھا۔وہ جو سناشا ہو کر بھی برسوں سے اجنبی بنا بیٹھا تھا۔

"کچھ نہیں پڑھائی کھیل اور کیا۔؟"کتنے نارمل انداز میں وہ کہہ گئی۔اداکاری اچھی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"میری یاد نہیں آئی کبھی۔؟" وہ جن زخموں کو امن شیرازی نے درد سہنے کے لیے کھلا چھوڑ رکھا تھا وہ انہیں برچھی سے اذیت دے رہا تھا۔ وہ زخم جو کبھی مندمل نہیں ہوئے ان سے اب ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ خون رسنے لگا۔

"آئی نا بہت... مجھے وہ ڈرائنگ بہت یاد آئی جو ہم بناتے تھے، اور چائے کے برتن، اور باغیچے کے پودے، پانی کے مٹکے، ریت کے گھر۔" وہ پرجوش انداز میں بول رہی تھی آنسو اس کی آنکھوں سے چھلکتے اس کی کیفیت کا حظ اٹھانے لگے۔ وہ مجبوب سی روئی آنکھوں سے مسکرادی۔ پھر قہقہ لگادیا۔ وہ اپنی حالت پر ہنس پڑی۔ اس کے مقابل جو تھا وہ اس کا مذاق نہیں بنائے گا۔ تضحیک نہیں کرے گا۔ اتنے سالوں کے بعد بھی وہ جانتی تھی اسے یقین تھا کہ وہ یہ نہیں کرے گا۔ اس کے ساتھ تو ہرگز نہیں۔

www.novelsclubb.com

"میں نے تمہیں بہت یاد کیا۔" وہ معترف ہوا۔اس کے لیے کتنا سہل تھا۔وہ بے یقین نگاہوں سے ششدر اسے تکتی رہی۔کاش کے بارہ سالوں کے انتظار کے بعد وہ اسے کہہ سکتی کہ امن شیرازی نے تو میں پل پل اسکی یاد میں گزارا تھا۔

"جو پودے ہم نے لگائے وہ اب درخت بن گئے ہیں۔" وہ موضوع بدل گئی ۔اسکے اظہار پر دل سینے کی دیواروں سے سر پٹک پٹک باہر آنے کو بے تاب تھا۔اسکا اظہار بے جان چیزوں کے لیے نہیں تھا "امن" کے لیے تھا۔

"اچھا؟" وہ یوں حیرت سے بولا جیسے کوئی حیران کن بات ہو۔

کیا اتنا عرصہ پودوں کو درخت میں تبدیل ہونے کے لیے ناکافی تھا؟

"صبح دکھاؤں گی۔" وہ صوفے کی پشت سے پشت لگاتے ہوئے خوشی سے لبریز ہوتے بولی۔

"ہم آئے بھاگ آئے۔" میز بان ہاتھ میں ٹرے تھامے پس منظر کا حصہ بنا۔

"آپ آئے بھاگ آئے۔" وہ دونوں یک زبان بولے۔

"آپ کہاں بھاگ کر آئے؟۔" وہ تو جیسے سلگ کر رہ گیا۔ جلدی جلدی سے چائے بنا کر وہ لایا تھا یہ لوگ۔ وہ جو اس کے محاورے کی ٹانگ توڑنے پر چوٹ کر رہے تھے وہ انہی کو کرارہ سا جواب دے گیا۔

"چائے پیش کی جائے۔" وہ شاہانہ انداز میں ٹانگ پر ٹانگ جمائے بولا۔

احسن کو اچھو کا سا لگا۔

"رستم تم مجھے تپا رہے ہو۔؟" تصدیق چاہی۔

www.novelsclubb.com

"کیوں تم تپ رہے ہو۔؟"سوال کے بدلے سوال اور متبسم چہرہ احسن کو واقعی تپا گیا۔وہ سارا دن فیشن ہاؤس میں ابا کے ساتھ کام نپٹاتے شاید تھک چکا تھا تبھی بوجھل رویہ لیے ہوئے تھا۔

احسن امن کے ہمراہ صوفہ پر بیٹھ گیا۔اپنے دو کپ تھامتے ایک میں سے چسکی بھری۔

"آہ۔۔۔"ایک یہی چیز تھی جو اس کے سلگتے رویے اور بوجھل دل کو سکون پہنچا سکتی تھی۔وہ آنکھیں موند گیا۔

"کیا ذائقہ ہے احسن۔"خود کو داد دی۔

"آہا۔۔۔"کسی طلسم کے زیرِ اثر وہ ارد گرد سے غافل خود کلامی کر رہا تھا۔

"ذائقہ تو ہم بتائیں گے۔"رستم بولا۔

"چکھ لو چکھ لو....اگر شاہ جہاں میرے ہاتھ کی بنی چائے پی لیتا تو میرے ہاتھ کٹوا دیتا۔"خود پسندی کی انتہا تھی۔رستم کی ہنسی چھوٹ گئی اس نے لبوں کو پیوست کیے بمشکل چائے کو فوارے کی مانند باہر آنے سے روکا تھا۔

"تمہارے ہاتھ کی چائے پینے کے بعد شاہ جہاں بچتا تو ہاتھ کٹواتا نا۔"احسن کے مسکراہٹ سمٹ گئی. وہ اداس ہوا۔ خفگی سے اسے دیکھا اتنی بے عزتی اس کی برداشت سے باہر تھی۔

"ایوارڈ لے کر شوخے نہیں ہو رہے تم؟۔"ناراضی سے سوال کیا۔رستم اس کی حالت کا حظ اٹھاتے ہوئے چائے سے انصاف کر رہا تھا۔ متبسم چہرہ لیے گھونٹ پر گھونٹ بھرتا وہ احسن کو مکمل نظر انداز کیے ہوئے تھا۔

"اوہاں۔"چٹکی مارتے ہوئے کہا۔"تم اس لیے یہ سب کر رہے ہو تا کہ میں تم سے خفا ہو جاؤں اور تمہاری بچت ہو جائے تمہیں مجھے کھانا نہ کھلانا پڑے۔"

رستم اس کی اتنی سمجھداری پر ماتھا پیٹ کر رہ گیا۔ کیا تھا یہ بندہ؟ ہر بات کھانے سے شروع اور کھانے پر ختم۔

"اب تم بھی کچھ بول لو میں تو خفا نہیں ہوں گا۔" رستم کو مزید ڈھیل ملی کہ چلو خفا تو وہ نہیں ہو گا۔ رستم چائے پیتا رہا چائے واقعی ذائقے دار تھی۔

آخر بنائی کس نے تھی؟۔

"ممانی کہاں ہیں؟۔"

"سو رہی ہیں۔ آپ نے آنے کا بتایا ہی نہیں۔" امن نے شکوہ کیا۔

یہ آہی کب رہا تھا ڈیڈ کے اسرار پر آئے ہیں لاڈ صاحب۔" احسن نے دل کا غبار ہلکا کرنا چاہا۔

"آپ ہمیں بھول ہی گئے ہیں۔ ماں صحیح کہتی ہیں رستم والدین کا بڑا فرماں بردار ہے۔" وہ طنز نہیں کر رہی تھی۔ شکوہ کر رہی تھی۔ فرماں برداری کی بیڑیوں

میں جکڑے رستم نے شیرازی ہاؤس کو دیکھا۔وہ میز کے نیچے چھپا تھا امن اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو رہی تھی۔

نظر سامنے ہی بنے کچن کے دروازے کی جانب گئی۔

احسن نے گلی میں کسی کا سر پھاڑ دیا وہاں کھڑے ممانی اسے ڈانٹ رہیں تھیں۔

اس نے دالان کو دیکھا۔وہ فرش پر بیٹھے نوڈلز کھا رہی تھی اور احسن اس سے مانگ رہا تھا۔چند حسین لمحات کی یاددہانی پر رستم کے لب مسکرانے لگے۔امن اسے ہنستا ہوا دیکھ سکتی تھی۔

حالیہ منظر میں احسن نے کوئی بات کی تھی رستم سر جھکائے زور سے ہنسا۔امن کے کانوں نے ان کی باتیں نہیں سنی۔شیرازی فیشن ہاؤس میں ایک لمبے عرصے کے بعد ان کے قہقے پھر سے گونجے تھے۔امن اس کے چہرے کا طواف کرتی رہی۔

باہر دیوار گیر کھڑکی کے اس پار رات کی رانی کا پھول کھلا تو خوشبو اندر تک آرہی تھی۔امن کے دل میں بہار اتر آئی۔پھولوں کی مہک نے اسکی زندگی کو معطر کردیا۔

پھولوں کی عمر کم ہوتی ہے۔کوئی اسے بتائے۔

بابا چھوڑدیں۔"روتے ہوئے وہ ملتجائی نگاہوں سے باپ کو تکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔جو اسے بازوؤں میں جکڑے ہوئے تھے۔آنسوؤں سے لبالب آنکھوں نے گھر کے جلتے ہوئے حصے کو دیکھا۔آگ کی شدت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہورہا تھا۔ سب جل رہا تھا،راکھ ہورہا تھا۔آنسوؤں کی روانی میں تگ ودو کرتی بچی نے والد کے بازو پر دانت گاڑھ دیے۔

بے رحمی سے بے بسی سے۔

وہ درد سے بلبلا کر بازو کھینچ گئے۔اسے فرار چاہیے تھی اس نے وہ پالی۔وہ سبک روی سے آگ کی جانب بڑھنے لگی۔ من من بھاری قدم، مگر وہ ہمت نہیں ہار رہی تھی۔ پھولے تنفس کے ساتھ تیز قدموں سے دھول اڑاتے مٹی کے فرش پر متحرک ننگے پاؤں، وہاں پڑے ایک پتھر کی ٹھوکر سے لڑکھڑا گئے۔ وہ گر گئی۔ وہ ہار گئی۔ کہنیوں پر دباؤ ڈال کر سر اٹھایا تو دیکھا کیا؟

جلتی آگ، بھڑکتے شعلے۔

اسکا دل جل کر خاکستر ہوا۔

وہ پھر اٹھی۔ بھڑکتی آگ میں کودنے کو وہ تیار تھی۔ بے قراری سی تھی۔ خوف سا تھا۔ آنکھوں کے سامنے چلتا منظر اور فضا میں گونجتی چیخیں اس پر قہر برسا رہیں تھیں۔ وہ قہر کی زد میں، بھونچال سے بچ کر، خود کو تباہ کرنے کو تیار تھی۔ اس پل پرواہ اپنی تباہی کی نہیں تھی۔ وہ جو جل رہا تھا اسے بچانے کی تھی۔ اسے محفوظ کرنا تھا۔ آگ کو بجھانا تھا۔

سوکھی لکڑیاں جل گئیں تھیں۔وہ کواڑ تک پہنچی جو جل کر مستور ہو چکا تھا۔

آگ کا ایک ہیولا اسے اپنے آنسوؤں سے تر چہرے کی جانب محسوس ہوا۔وہ جھٹ سے چہرے پر ہاتھ رکھے رخ موڑ گئی۔

وہ پھر سے والد کی گرفت میں پھنس گئی۔اسکے دونوں بازو دبوچے وہ شکست خوردہ سے،غصے سے اسے گھور رہے تھے۔

بے بسی سے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"بابا چھوڑ دیں۔"اسکے لہجے میں لرزش تھی۔

کھلے برآمدے میں کھڑے تیسرے وجود پر نظر ٹھہر گئی۔وہ وجود خوف سے لرز رہا تھا۔وہ اسے یک ٹک دیکھے گئی۔حقارت سے،نفرت سے۔

آگ کے شعلے مزید بھڑکنے لگے تھے۔وہ اس کی بے بسی کا حظ اٹھا رہے تھے۔اس کا پورا جسم پسینے سے بھیگنے لگا۔ماحول میں چیخیں بلند ہوئیں اور ایک دم سکوت چھا گیا۔

آگ ظالم تھی، کیا وہ اسے نگل گئ؟

"آہ!" وہ چیخی۔وہ باپ کی قید سے نکلنے کو پھڑپھڑائی تھی لیکن اس کا سانس بند ہوتا گیا اور وہ۔۔۔ایک جھٹکے سے اٹھی۔ڈھیلے جوڑے سے نکلی ہوئی لٹیں اس کا چہرہ ڈھانپ گئیں۔

نیند میں ڈوبے ہر شخص کے لیے اجالے میں بھی تاریکی ہوتی ہے۔زندگی کچھ کو خوش نما خواب دکھاتی ہے تو کچھ کو بھیانک۔اور کچھ کی تو پوری زندگی ہی سیاہ ہوتی ہے۔اندھیری اور بھیانک۔

اسے لگا آگ اب بھی اس کے قریب ہے۔اس نے ہراساں نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔

سیاہ کمرہ۔راکھ جیسا سیاہ۔

پہلی بار اسے اپنے کمرے کے سیاہ درو دیوار سے کوفت ہوئی۔

وہ تکان زدہ سی معلوم ہو رہی تھی۔خواب کی وحشت نے اسکا رنگ زرد کر دیا تھا۔وہ بے ساختہ تکیے پر سر گرا گئی۔خالی خالی نگاہوں سے اس نے اپنے کمرے کو بغور دیکھا۔ نظر صوفے پر بیٹھے وجود پر ٹھہری تو اس نے خود کو بحال کرنے کی کوشش کی۔وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کب سے ادھر ہو۔؟"اس نے بے اختیار خود کو کہتے ہوئے سنا تھا۔

مقابل نے کوئی جواب نہ دیا۔چند سیکنڈز خاموشی کی نظر ہوئے۔

"جب سے ہوش سنبھالا ہے۔"وہ سرد مہری سے بولا۔اسکے ایسے جوب پر اسے تفکر نے آن گھیرا۔

"کب تک رہو گے؟۔"بے اختیار ہو کر اس نے دوسرا سوال داغا۔

"جب تک سب کے ہوش ناں ٹھکانے لگا دوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

عبداللہ کی آنکھیں غیر انسانی تھیں۔اور چہرہ متغیر۔وہ جو خوابی جہنم سے نجات حاصل کر کے آئی تھی بھونچکارہ گئ۔اعصابی تھکاوٹ کی شکار کے کے میں اب بولنے کی ہمت نہیں تھی۔سوالی جوابی کاروائی تمام ہوئی۔عبداللہ نے خود سے کوئی بات نہیں کی۔شاید اس پل وہ بس اسکے سوالوں کا جواب دینے کا ہی روادار تھا۔

کہکشاں نے آنکھیں موند لیں۔چند سیکنڈز کے توقف کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔پھر سے نگاہیں صوفے پر جمائیں تو عبداللہ وہاں نہیں تھا۔وہ اسکے پیچھے جانا چاہتی تھی مگر تھکاوٹ کی وجہ سے اسے معلوم نہیں ہوا کب پھر سے وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

"ٹرافی کی ساری شان خراب کر دی۔کتنا بدصورت لگ رہا تھا۔" سنہری ریشمی پردے کی اوٹ سے اندر جھانکتے ہوئے رستم کی سماعت میں زہر گھل گیا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی سنہری ستارے والے ٹرافی کو دیکھا۔دل ٹکڑوں میں بٹ گیا۔

"سکرین میں ایوارڈز لیتے ہوئے رونی صورت دیکھی تھی۔یوں جیسے دیبل فتح کرلیاہو۔"اب کی بار اسے جیسے یقین نہیں آیا۔اندر گونجتے قہقہوں نے اس پر آسمان گرادیا تھا۔

"ابھی تو آئیں گے، بولیں گے۔ماں... دیکھوماں...." باہیں پھیلا کر اندر وہ گول گول گھوم رہی تھی۔وہ سامنے صوفے پہ بیٹھی کلثوم بیگم کو ہنستے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔پھر سے عشال کو دیکھا وہ ابھی بھی گول مٹول چکر کھا رہی تھی۔

"ماں آپ کا بیٹا آگیا۔آپ کا بیٹا...پیارا بیٹا..."وہ ماں کے گھٹنے پر ہاتھ رکھے مخملی قالین پر بیٹھ گئی۔سامنے ہی پڑی شیشے کی میز سے ڈیکوریشن پیس اٹھالیا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"دیکھوماں... آپکا بیٹا تمغہ لے کر آیا ہے۔" کلثوم بیگم خوشی سے دوہری ہو رہی تھیں۔ ایک ہاتھ پیٹ پر رکھ لیا۔ وہ انہیں ہستے ہوئے نڈھال ہوئے دیکھ سکتا تھا۔

"آپکے بیٹے نے دیبل جو فتح کر لیا۔" مردانہ آواز سنائی دی تو وہ اپنی جگہ شل ہو گیا۔ قدم لڑکھڑائے یوں جیسے پیروں تلے زمین نا رہی۔ عجیب سادرد دل میں ٹھہر گیا۔ اس نے دیوار کے ساتھ پڑے میز کا سہارا لیا۔ سنہری ٹرافی پر چمکتے ستارے کی چمک مدھم پڑ گئی۔ بے اختیار آنکھوں میں امنڈنے والی نمی سے اسکی بصارت دھندلا گئی۔

وہ جو اندر دو وجود دیکھ کر تڑپ گیا تھا۔ تیسرے وجود کی موجودگی سے آشنائی نے اسکے جسم سے مانو جان نکال دی۔ اسکی رنگت سپید پڑ گئی۔

وہ لڑکا جو اندر کھڑا اسکی ذات، اسکے وجود کا تمسخر اڑاتے قہقہے لگا رہا تھا وہ نہیں تھا جسے وہ جانتا تھا۔

"یہ سب تمہارا فائدہ اٹھاتے ہیں رستم۔احتشام،عشال، مس طیاری۔سب

..."

"وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔"اس نے بیڈ پر اپنے ہمراہ بیٹھے احسن کو کہتے سنا تھا۔اور وہ تردید کر رہا تھا۔اسکی باتوں کی،اسکی نصیحتوں کی۔

سراسر نفی۔"نہیں۔نہیں۔ایسا نہیں ہے۔تم غلط سوچتے ہو۔"

"میں غلط سوچتا ہوں؟۔"وہ متحیر سا گویا ہوا۔

یہ سب ڈھونگ ہے۔سب ڈھونگ۔"احسن نے نہایت کراہیت سے کہا تھا۔"

پھر رستم کے کانوں نے تھپڑ کی گونج سنی۔اور آنکھوں نے احسن کے گال پر سرخ چھاپ دیکھی۔

اس پر سانسیں تنگ ہو گئیں۔اس لمحے ،اس پل جس کی سب سے زیادہ یاد آئی تھی۔وہ احسن تھا۔اسے سمجھاتا ہوا۔اس کی ڈھال بنتا ہوا۔اسے نصیحت کرتا ہوا ۔اسے عقیدت بخشتا ہوا۔

صدمہ تھا یا حیرت تھی وہ خود کی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا۔اس نے ہاتھ پر ہاتھ مارتے عشال اور احتشام کا دھندلا عکس دیکھا۔وہ غم زدہ اور پریشان حال اپنی جگہ تھم گیا۔اس کا دل رک گیا اس کا تنفس ساکت ہوا۔

ہر چیز ساکت ہو گئی اس کی پتلیاں،اس کی سماعت،اور اس کا دل۔

اس پل اس لمحے اس کے دل میں بھرپور خواہش ابھری کے یا تو یہ منظر جھوٹ ہو یا وہ اندھا ہو جائے بہرہ ہو جائے مزید کوئی لفظ وہ نا سن سکے۔ان کے چہروں پر وہ اپنے لیے نفرت حقارت اور کراہیت نہ دیکھ سکے۔مگر یہ قسمت۔ اُف۔

دل و دماغ سامنے چلتی فلم کو حقیقت ماننے سے انکاری تھے۔

"اور مام کیا کریں گی۔" وہ کلثوم بیگم کی طرح ٹانگ پر ٹانگ جما کر صوفے پر بیٹھ گئی اور احتشام اسکے گھٹنوں پر ایک ہاتھ رکھے، دوسرے ہاتھ میں شو پیس پکڑے قالین پر بیٹھ گیا۔

"ماں دیکھیں میں جیت گیا۔"

"ہونہہ" وہ ناک بھوں چڑھاتے رخ موڑ گئی۔ احتشام نے اس کے ہاتھ تھامے۔ نادیدہ بوسہ دیا اور پھر اٹھ گیا۔ اب وہ ٹشو باکس میں سے ٹشو نکال کر اپنے ہاتھ رگڑنے لگی۔ پھر فضا میں ان کے قہقہوں کا شور برپا ہوا۔ سنہری پردے سے جھانکتے ہوئے رستم کی آمد سے وہ سب بے خبر تھے۔ وہ جو صبح بیدار ہوتے ہی خوشی سے بھرپور اپنی کامیابی کی داد لینے کے لیے پہلی فلائٹ پکڑ کر آیا تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر ڈرا سا، سہما سا، متوحش اپنی جگہ تھم گیا۔

اتنی نفرت، اتنی گھن، اتنی اکراہ؟؟

وہ شل سا وہیں کھڑا رہا۔اس نے انگشتِ شہادت لبوں پر رکھتی کلثوم بیگم کو دیکھا۔وہ شاید انہیں چپ ہونے کا بول رہی تھیں۔منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہنسی کو روکتے ہوئے کوئی بات کرنا چاہ رہی تھیں۔

"ابھی تو وہ جگر کو بھی سمجھائے گا۔میرے بھائی...میرے جگر یوں نہیں کرتے۔اتنے پیسے تم کھا گئے۔" پھر ان کا چھت پھاڑ قہقہہ گونجا۔

کاش کوئی اس کی آنکھوں سے بہتا لہو دیکھ سکتا۔گرم سیال اس کے گالوں سے بہتا اس کی داڑھی کو بھگونے لگا۔

"میں کھا گیا؟۔" وہ بلا تامل سوال کر گیا۔

پھر وہ تینوں قریب ہوئے۔سر ایک دوسرے سے جوڑ لیے۔آنکھوں میں رازداری کی رمق تھی۔

"ہم کھا گئے۔" مدھم سرگوشی۔

مگر پھوٹی قسمت رستم نے سن لیا۔

آہ۔یہ دل کی چبھن۔

وہ اب مزید وہاں نہیں رک سکتا تھا۔کپکپاتے لبوں نے سسکیوں کو بلند ہونے سے روکا۔سنہری ٹرافی ہاتھوں سے پھسلتی فرش کی زینت بنی۔ہال میں آواز گونجی تو اندر بھی سناٹا چھا گیا۔احتشام نے "ششش" کہتے ہوئے داخلی دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔

کلثوم بیگم اور عشال دم سادھے ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

وہ تیزی سے بڑھتا ہوا سنہری پردے سے ہاتھ الجھاتے اسے جھٹک گیا۔پھر نظر اطراف میں دوڑائی۔کوئی بھی تو نہیں تھا۔

چند پل وہیں اپنی تسلی کے لیے کھڑا رہا پھر واپس پلٹ گیا۔

"کچن میں کوئی برتن ٹوٹا ہو گا شاید۔"کلثوم بیگم نے وجہ پیش کی۔

ہاتھ میں ٹرافی تھامے دیوار سے پشت لگائے، سر ٹکائے، بہتے آنسوؤں اور بند آنکھوں کی زد میں کھڑے رستم کے کانوں نے آخری جملہ یہی سنا تھا۔

جوتے بکھرے پڑے تھے۔اور جرابیں۔ایک جوتوں کے پاس تھی تو دوسری کمرے میں پڑی میز کے نیچے۔ٹائی کو ہاتھ پر لپیٹے شرٹ کے بٹن کھولے ننگے پاؤں فرش پر رکھے وہ بیڈ پر بیٹھا تھا۔رنگت سرخ ہو چکی تھی۔بنا اے سی، بنا پنکھے کے حبس زدہ ماحول میں وہ تیز تیز سانسیں بھر رہا تھا۔سنہری ستارے والی چمکتی ٹرافی کے ستارے کے کنارے چر مرا گئے تھے۔رستم کو اس کی چمک بھی مانند محسوس ہوئی۔

تلخ اور زہر خند جملوں کی باز گشت اسے رفتہ رفتہ ختم کر رہی تھی۔آنسو بہتے جا رہے تھے۔وہ لمحہ بہ لمحہ ہاتھوں کی پشت کو بے دردی سے گالوں پر رگڑ رہا تھا۔اس کے گال اب خون چھلکانے لگے تھے۔بھوری آنکھوں میں حزن ٹھہر گیا تھا۔اس کا

وجود ہچکولوں کی زد میں تھا۔پیشانی عرق آلود تھی۔ گردن بھی پسینے میں شرابور ، تھی۔ نفرتوں، محرومیوں اور تلخ جملوں کے بوجھ کے نیچے دبا رستم پھر سے تنہا کمرے کی دیواروں کے سامنے بے بسی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ کواڑ کو کنڈی لگائے وہ دنیا جہاں سے غافل ماتم منا رہا تھا۔

"سب تمہاری اچھائی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بر گر کھاتے ہوئے احسن نے احتشام کے ہاتھوں میں ڈالر تھما کر آئے ہوئے رستم کو ڈپٹا تھا۔

"میرے بس میں ہو تو منہ توڑ دوں تمہارے جگر کا۔"

"یہ لیور نہیں ہے لیور ڈیزیز ہے۔" وہ جو احتشام کو سی آف کر کے آیا تھا احسن کی بڑبڑاہٹ سن رہا تھا۔

وہ چیخنا چاہتا تھا، چلانا چاہتا تھا، مگر.....

محرومیوں کے ہمراہ، صدا کی تنہائیاں اس کا بخت بن چکی تھیں۔اس کی ماں کہیں بھیڑ میں گم تھی تو باپ کا وجود مٹی سے جاملا تھا۔چار سالہ رستم کے پاس بھی چپ کروانے کے لیے، سینے سے لگانے کے لیے،ماں نہیں تھی۔

اٹھائیس سالہ رستم کے پاس بھی آنسو پونچھنے والی ماں کا آنچل نہیں تھا۔

عشال اور احتشام کا یہ روپ اسے اندر سے توڑ گیا تھا اور قلب کے ٹوٹے ہوئے حصے بکھرے اسے اندر ہی اندر اذیت دے رہے تھے۔

اگر کوئی اچھا نہیں ہے تو اچھا بننے کا ڈھونگ کیوں؟

اتنا تصنّع؟؟

"میرے رستم بھائی ورلڈ کے بیسٹ بھائی ہیں۔"رستم کو گال پر عشال کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"بھائی آپ کتنے اچھے ہیں۔ میں ہمیشہ آپکے ساتھ ہوں۔ آپ ماں کی باتوں کو دل پر نالیا کریں۔" میٹھے جملوں کی تلخی اسے اب سمجھ آئی تھی۔ ان میں تصّنع کی ملاوٹ سے وہ اب آشنا ہوا تھا۔

"کچھ حقیقتیں جب آشکار ہوتی ہیں تو جسم سے جان نکال دیتی ہیں۔"

اسکی بھی جان ہی تو نکل رہی تھی۔ وہ مر ہی تو رہا تھا۔

وہ بے ساختہ سر ہتھیلیوں پر گراتے سسک اٹھا۔ یااللہ... یااللہ... بے بسی کی انتہا پر رب کریم کو پکار لیا۔

کمزور لمحے میں شیطانی وسوسے، شیطانی مشورے، سرگوشیاں کرنے لگے۔ وہ گہری سانس بھرتے، ٹائی سے چہرہ صاف کرتے گردن اٹھا گیا۔

اب اس کی انکھوں میں کرب نہیں تھا۔ نادرد۔ نا بے بسی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اسکی آنکھیں غیر انسانی تھیں۔بغاوت کا جذبہ سر چڑھ کر بولنے لگا۔میز پر پڑے گلاس میں پانی انڈھیلا۔ہاتھوں کی کپکپاہٹ پر وہ بروقت قابو نہ پاسکا۔

ماضی کی بیڑیاں اسے پھر سے خود میں جکڑنے لگیں۔بے دردی سے۔سنگ دلی سے۔

"بھائی نے توڑا ہے بابا میں نے کچھ نہیں کیا۔"دراز قد، گوری رنگت والے، پٹھانی شلوار قمیض میں ملبوس طیار خان کے پیچھے چھپے چار سالہ بچے نے کہا تھا۔سات سالہ بچہ اشتعال سے لب بھینچ کر اسے گھور ہی سکا۔پھر بے بسی سے باپ کو دیکھا۔ وہ فرش پر گرے فریم کو دیکھ رہے تھے۔

"بابا...میں...."الفاظ ادا نہ ہوسکے۔باپ کا ڈر غالب آ گیا تھا۔

"میں سچ بول رہا ہوں۔بھائی نے توڑا۔میں نے بولا بابا کو بتاؤں گا تو مجھے مارا بھی۔"جملہ ادا کرتے ہوئے وہ رونے لگ گیا۔باپ کا دل پسیج گیا۔آگے بڑھتے ہوئے رستم کا بازو سختی سے جھنجھوڑا۔وہ چیخ رہے تھے کچھ کہہ رہے تھے جبکہ رستم

کی نظر پیچھے کھڑے احتشام پر تھی جو زبان باہر نکالے منہ چڑھاتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

پھر اس ماحول میں زناٹے دار تھپڑ کی آواز گونجی۔

رستم دائیں گال پر ہاتھ رکھے باپ کی پشت دیکھ رہا تھا۔ جنہوں نے احتشام کو

بازوؤں میں اٹھایا تھا اور بیرونی دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔

ماضی اور حال کی دھتکار پر تنفر اسکی آنکھوں میں تھا اور دل میں بھی۔

کچھ تھا جو بھڑکنے کو تیار تھا شاید بدلے کی آگ۔

پیار کے بدلے پیار۔

نفرت کے بدلے نفرت۔

اور تصنّع کے بدلے "تصنّع"۔

www.novelsclubb.com

گردن تان کر عزم کر لیا۔ آنسو بہنا بند ہو گئے تھے۔ وہ ابھی بھی اپنا جگہ شل بیٹھا تھا۔ یقین تھا کہ آنے سے انکاری تھا۔ احتشام اس سے ملے گا تو اسے کیا کرنا ہے۔ عزم کر لیا۔ وہ پانی کے گھونٹ بھرنے لگا۔

خیالی دنیا میں، دن رات میں بدل گیا۔ کچھ اور بھی بدلنے والا تھا۔ شاید اسکا عزم۔

کمبل میں سسکتے رستم کو سینے سے لگائے بابا نظر آنے لگے۔ وہ اس کے آنسو پونچھ رہے تھے۔ باہر تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے نظر اٹھائے بابا کا چہرہ دیکھا۔

"وہ جھوٹ..." الفاظ سسکیوں میں ہی دب گئے۔

"میں جانتا ہوں وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ پر تم تو میرے بہادر بیٹے ہو۔ بڑے ہو۔ تمہیں صبر سے کام لینا ہو گا رستم۔" گال پر ہاتھ رکھ کر پیشانی چومتے بابا نے نصیحت کی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"وہ کچھ بھی غلط کرے گا تو تم معاف کرو گے۔ میرے لیے۔" اس نے بابا کے بڑھتے ہاتھ پر اپنا ننھا ہاتھ رکھا تھا۔ پانی کا گلاس ہاتھوں سے چھلک کر فرش پر گرا ۔ چھنا کے سے ٹوٹتے ہوئے گلاس کا کانچ ہر سو بکھر گیا۔ وہ پھُرتی سے پاؤں تھوڑے بلند کر گیا۔

وہی رحم جو اپنوں کے لیے ہوتا ہے۔ وہی تڑپ، وہی دل، وہی محبت، پھر سے جاگ اٹھی کبھی نہ تمام ہونے کے لیے۔

زمین پر ٹوٹے ہوئے کانچ میں، متحرک پانی میں اس کا عزم بہہ گیا۔

اس کی ذات مسخ ہو گئی۔

پھر سے۔

اس کے کمرے کی گلاس وال سے باہر جھانکو تو آسمان پر سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ برسنے پہ آمادہ، گرجنے کو بے تاب۔

اے سی کی ٹھنڈک اور ہلکی خنکی سے وہ جو خود میں سمٹ رہی تھی نیند سے بیدار ہو گئی۔اس نے سب سے پہلے سائیڈ ٹیبل پر پڑے الارم کلاک کو دیکھا۔

"ایک پینتالیس۔" وقت کا اندازہ لگاتے ہوئے وہ پشیمان ہوئی۔ سفر کی تھکان اس کے چہرے پر رقم تھی۔ وہ اٹھ بیٹھی۔اب وہ قدرے پُر سکون دکھائی دے رہی تھی۔ سیاہ چار دیواری پھر سے اسکا کفرٹ زون بن گئی تھی۔ وہ خالی الذہنی سے سیاہ درو دیوار کو دیکھ رہی تھی کہ کچھ پل اسکی آنکھوں میں سمانے لگے اور آوازیں سماعت میں گھلنے لگیں۔ عبداللہ کی سرد مہری، آگ کے لپکتے ہوئے شعلے، فضا میں گونجتی چیخیں۔اسکے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔پپوٹے بھاری محسوس کرتی وہ جو پھر سے بستر پر دراز ہونے لگی تھی ٹھہر گئی۔

"جب سے ہوش سنبھالا ہے۔"عبداللہ کے الفاظ کی بازگشت نے اسے متوحش کر دیا۔اسکے لہجے کی سرد مہری کی وجہ سے وہ خود کو مجرم قرار دے گئی۔ اسے اپنی بے رخی کا احساس ہوا۔اس نے شیرازی فیشن ہاؤس میں عبداللہ کو کال بیک نہیں کیا تھا۔اس نے اسکے میسج سین کر کے رپلائی نہیں دیا تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح اسے اٹھانے کے لیے نہیں گئی تھی۔وہ جو خود چل کر آیا تھا اس کی بیداری کا منتظر تھا اسے سلام نہیں کیا تھا۔اس نے دن کا آغاز اسے "آئی لو یو ٹو" کہتے ہوئے نہیں کیا تھا۔

وہ گہری سانس بھرتی اٹھی۔اس نے قدم سیاہ قالین پر رکھے۔آرام کرنے کی چاہ کو بھاڑ میں جھونک کر وہ بستر سے اتری۔عبداللہ کے لیے تو وہ دنیا چھوڑ سکتی تھی ۔یہ تو پھر نرم بستر تھا۔

وہ قدم اٹھاتے ہوئے گلاس وال کے پاس آ کر رکی۔ نگاہوں نے فلک پر جھومتے ہوئے بادلوں کو اپنے حصار میں لیا۔ چند لمحے وہ اس ماحول کا حصہ بنی رہی۔ پھر وہ کمرے کی ایک دیوار میں نسب وارڈروب کی جانب بڑھی۔

سیاہ پٹ کھولے۔ سیاہ مغربی طرز کے لباس اور سیاہ مفلرز ہینگرز میں لٹک رہے تھے۔ اس نے سیاہ جینز اور سیاہ امتزاجی شرٹ نکالی۔ ایک اور پٹ کھسکایا اس میں اسکے جوتے تھے۔

جاگرز، اسنیکرز اور ہیلز۔ سب سرخ رنگ میں تھے۔

سیاہ کمرے، سیاہ قالین، سیاہ دیواروں، سیاہ کپڑوں میں سے صرف ایک چیز تھی جو مختلف رنگ میں تھی۔ اسکے جوتے۔

پاؤں کی زینت بننے والے جوتوں کا رنگ ہی "سرخ" کیوں تھا؟۔

اس نے وارڈروب کو بند کیا اور کپڑے لے کر اٹیچ باتھ روم میں گھس گئی.

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

رات کی رانی کے پھول۔

رات میں انکی خوشبو مسحور کن ہوتی ہے۔

اور دن اسکی خوشبو کو نگل لیتا ہے یوں کہ وہ نا معلوم ہوتی ہے۔

اس پل اسکے لیے بھی وہ خوشبو ماوری تھی۔دن کے زیرِ اثر نہیں بلکہ جس کی آمد پر اسکے دل میں بہار اتری تھی اسکے جانے سے وہ خوشبو بھی ماتم کناں تھی۔

وہ سفید جوڑا زیبِ تن کیے ہوئے تھی۔موم جیسا سفید۔سرمئی آنکھوں کی چمک مانند تھی۔وہ ننگے پاؤں گھاس پر چلتے ہوئے سر اٹھا اٹھا کر درختوں کو دیکھ رہی تھی۔جوان درخت۔

"وہ کب آئیں گے۔جب یہ درخت بوڑھے ہو جائیں گے۔؟" اسکی سوچ میں سوال تھا وہ جواب سے عاری تھی۔

املتاس کے درختوں سے ہوا کے زیرِ اثر سنہری پھوار گر رہی تھی۔ اسے اس سے وحشت ہوئی۔

وہ قدم پر قدم اٹھاتی کاسنی کے پودے کے پاس رکی۔ کاسنی کے کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھا۔ دل میں درد کی ہوک سی اٹھی۔

"تم کیوں کھلے ہو؟ میرا حظ اٹھاؤ گے۔؟" وہ ہنسی اسکی ہنسی کھوکھلی تھی۔ اسکا غم زیادہ تھا۔ وہ جھکی ایک پھول توڑا اور اسے بے رحمی سے انگلیوں کے پوروں سے مسلا۔ عرقِ گلؔ نے اسکے ہاتھوں کو تر کر دیا۔ اس کے لبوں پر عجب تبسم تھا کیونکہ اس نے کاسنی کے پھولوں کا مان خاک میں ملا دیا تھا۔ اسکے بالوں میں سجے سفید پھول مرجھا گئے تھے۔ وہ جو محبوب کی آمد پر سنگھار کیے بیٹھی تھی اسکے جانے پر اسکا چہرہ بے رونق تھا۔ سفید موتیے کے پھولوں نے اسکے غم میں اسکا بھرپور ساتھ دیا۔ تبھی وہ انہیں اپنے بالوں سے جدا نہیں کر سکی۔

باغیچے کی چھوٹی دیواریں بیلوں سے ڈھکی ہوئیں تھیں۔رنگ برنگے پھول ہر سو کھلے ہوئے تھے۔فضا مہک رہی تھی۔مگر اسکی آنکھیں بوجھل تھیں۔اسکا دل جل رہا تھا۔

"میں امن شیرازی، رستم خان سے محبت کرتی ہوں۔"وہ معترف ہوئی۔اسکا اعتراف چہچہاتے پرندوں نے سنا، املتاس کے درختوں نے، کاسنی کے پھولوں نے، باغیچے کے درودیوار نے۔جس کے سامنے اسے معترف ہونا چاہیے تھا وہ کہاں تھا۔؟

"انہیں کبھی میرا خیال نہیں رہتا۔وہ ہمیشہ مجھے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔کیا محبت کو پیچھے چھوڑ دیا جاتا ہے؟"اسکی آواز رندھی ہوئی تھی۔لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔رستم سے جدائی کا غم، زہر کی مانند اسکے جسم میں پھیل رہا تھا۔

وہ گلاب کے پودے کے پاس پنجوں کے بل بیٹھ گئ۔تازہ کھلے گلاب پر بھنورے کو قید کرنے کی کوشش کرتی ہوئی وہ کسی اور دنیا کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔

"جانتے ہو محبت کیا ہے؟" بھنورے سے سوال کیا۔اپنے اندر اٹھتا غبار وہ حشرات پر نکال رہی تھی۔

"محبت سحر ہے۔یہ جکڑ لیتی ہے۔جسے چاہے،جب چاہے۔یہ بیڑیاں ڈالتی ہے،قید کرتی ہے۔ایسی قید جس سے رہائی ناممکن ہوتی ہے انسان بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔" وہ سرگوشیاں کر رہی تھی۔

ماحول میں سکوت ابھرا۔چلتی ہوا غیر متحرک ہوئی۔پرندوں کی چہچہاہٹ اب نہیں تھی۔بات محبت کی تھی۔ہر ذی روح نے اشتیاق سے سنی۔

محبت ایک فطری جذبہ ہے۔یہ ہر ایک میں ہوتی ہے۔وہ جو محب ہوں محبت کا موضوع دلچسپی سے سنتے ہیں۔پرند،چرند،نباتات و حیوانات سب محب تھے ،سب نے اسکا کلامِ محبت سنا۔

"تم نے محبت کی ہے۔میں نے بھی محبت کی ہے۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

وہ بھنورے سے کہہ رہی تھی۔

"تمہیں گل سے پیار ہے مجھے اس سے۔" اسکی آنکھوں کا رنگ بدلنے لگا۔ وہ چمک رہیں تھیں۔ باغیچے کی جس طرف وہ تھی اسکے مقابل دیوار پر سورج کی کرنیں پڑ رہی تھیں۔

"تمہیں اِسکی خوشبو پسند ہے۔ مجھے اُسکی"

اس کے گال گلابی ہو رہے تھے۔ حیا کی لالی اس کے گالوں پر امنڈ رہی تھی۔

اس نے بھنورے کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تو وہ پھول کی کونپل میں گھسنے لگا۔

"تمہیں اسکی آغوش میں رہنا پسند ہے، مجھے اسکی۔" اسکی آنکھوں میں بے بسی کانچ کی طرح چبھ گئی۔ رات کو وہ اسکے سینے میں نہیں چھپ سکی تھی۔ اسکے قدم لڑکھڑائے تھے مگر وہ اس کا سہارا نہیں لے سکی تھی۔ گھاس پر مڑی ہوئی پاؤں

کی انگلیوں میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔وہ خود کو بے جان محسوس کرتے ہوئے۔ گھاس پر بیٹھ گئی۔گھٹنے سینے سے جوڑ لیے۔

"تم نے صدیوں سے گلِ سے محبت کی۔مجھے چودہ برس ہو گئے۔"وہ آنکھوں کے نم کنارے کو صاف کرتے ہوئے بولی۔ بھنورہ اب آسکی آنکھوں سے اوجھل گلِ کے حصار میں تھا۔

"تم اپنی محبت کے ساتھ ہو۔مجھے محبوب کا ساتھ کب نصیب ہو گا؟"اسکی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

محبت کے لاحاصل کے مارے، محبت کے حاصل سے نوازے ہوؤں سے اپنے نصیبوں کی حقیقت جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔اپنے انتظار کی مدت پوچھتے ہیں۔وہ بھی تو یہی کر رہی تھی۔

اس نے چار سو دیکھا۔ان دونوں کا باغیچہ،ان دونوں کے بوئے ہوئے پودے ،ان دونوں کا لمس،سب یکجا تھا۔سب ہمراہ تھا۔وہ دونوں کیوں جدا تھے؟۔

یہ جدائی برسوں پہلے تھی۔وہ آج بھی جدا تھے۔وہ کب تک جدا رہیں گے
۔؟کیا ہمیشہ ؟

زہن میں اٹھتے خدشات نے اسکا دل زخمی کر دیا۔

وہ بے اختیار سسک اٹھی۔حزن، غم، درد و رنج سب حد سے سوا ہو گیا۔وہ
بے ساختہ سر گھٹنوں پر رکھے سسکیاں لینے لگی۔آواز سسکیوں سے ہچکیوں میں
بدلی۔اور پھر وہ بلند ہوتی گئ۔وہ ہمیشہ کی طرح اس کی یاد میں جلتی،اس کے ہجر میں
کڑھتی باغیچے میں آنسو بہا رہی تھی۔

اس باغیچے کے پودوں کو پانی نے نہیں امن کے اشکوں نے پروان چڑھایا تھا۔

"اوہیلو۔"کندھے پر تھپکی اور کانوں سے ٹکراتی آواز نے اسے سسکیوں کا گلا
گھونٹنے کی ترغیب دی۔وہ فی الفور اس پر عمل کر گئی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"کیا ہوا ہے "بھاری مردانہ آواز پھر سے سماعت سے ٹکرائی۔اس نے سر گھٹنوں سے نہیں اٹھایا۔اس نے محسوس کیا کہ وہ اسکے ہمراہ نیچے بیٹھ گیا تھا۔

"کیا ہوا ہے ؟۔"سوال پھر سے پوچھا۔کندھا پھر سے تھپکا۔وہ آستینوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔اسکی آنکھوں میں نمی نے احسن کے دل پر کاری ضرب لگائی۔اسکا دل دکھا تھا۔وہ رو رہی تھی۔کیوں؟اس نے سوچا۔

"کیا ہوا ہے۔؟وہ تڑخ کر بولی۔

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔"

"میرا سر ہوا ہے۔"اس نے کھا جانے والے انداز میں کہا پھر اسکو سرد نظروں سے گھورا جو اللہ دین کے جن کی طرح بنا آہٹ کے نازل ہوا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اسکی آواز پر احسن کو کچھ تسلی ہوئی۔دماغ سے عاری بندی کا ""سر"" ہوا ہے ۔"کافی عرصے بعد پیدائش ہوئی ہے اسکی۔مٹھائی نہیں کھلاؤ گی۔؟"امن لب بھینچ کر رہ گئی۔وہ گھٹنوں پے ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھی۔

"تم سے تو بات کرنا ہی بیکار ہے۔"وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولی۔

"اچھا۔۔۔"اسکا اچھا ضرورت سے زیادہ لمبا تھا۔

وہ پیشانی پر ہاتھ رکھے اسے دیکھ رہی تھی۔سورج کی روشنی اس کی پشت پر پڑتی تھی۔

ہلکی سی،مدھم سی۔

احسن نے اسکی جانب ہاتھ بڑھایا مبادہ کہ وہ اسکی اٹھنے میں مدد کرے۔امن نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے۔

www.novelsclubb.com

اسکے بار بار ہاتھ جھلانے پر کوفت زدہ ہو کر ہاتھ اسکی جانب بڑھایا۔وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ہاتھ ابھی بھی اسکے ہاتھ میں تھا۔

"کل کوئی مجھے مس کر رہا تھا۔"احسن کی آنکھوں میں رازداری کا تاثر تھا۔ یوں کہ وہ کسی دوسرے تیسرے شخص کی بات کر رہا ہو۔

"اس کوئی کا دماغ خراب تھا۔"وہ جھنجھلاتی ہوئی بولی۔اسکے لہجے میں بیزاری تھی۔

"ابھی پیدا ہوا ہے ناں۔اسی لیے صحیح سے پراسیس نہیں کر رہا۔"امن کو مزید تپ چڑھی۔

"تم۔۔تم ناں مجھ سے چپکا مت کرو۔سوفٹ کی دوری پر رہا کرو۔"وہ چڑ کر بولی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

احسن کی آنکھوں میں شرارت ابھی بھی واضح تھی۔اسکی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہوا تھا۔

"کل رات کو کون چپکا تھا۔؟"سوال طعنے بازی کے تیر کی طرح ٹھاہ کر کے امن کی انا کو لگا۔

وہ ہکا بکا رہ گئی۔اس بات کا طعنہ نا جانے اب کتنے سال تک ملنا تھا؟۔

"میں ہی پاگل ہوں۔"اس نے اسکی گرفت سے ہاتھ جھٹک کر چھڑایا۔وہ رو دینے کو تیار تھی۔احسن اسے زچ کر رہا تھا اور وہ زچ ہو بھی رہی تھی۔

"اوہ تمیں معلوم ہے۔مجھے لگا تھا میں ہی علم والا ہوں۔"وہ سختی سے مٹھیاں بھینچ کر اسے گھورتی ہوئی خود پر ضبط کر کے پاؤں پٹخ کر پلٹی۔

املتاس کے درختوں سے ایک بار پھر سے پھوار گری۔ ہوا کا ایک سر سراتا جھونکا اس کے وجود سے ٹکرایا۔ اسکی دوری کا احساس پھر سے دل کو برچھی کی طرح لگا۔ اسکی آنکھوں میں پھر سے نمی بھرنے لگی۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ کلائی پر گرفت نے اسکے قدموں کو بھی جکڑ لیا۔ وہ رکی۔

احسن نے اسکی کلائی کو حرکت دی۔

"ادھر دیکھو۔" وہ بولا۔ امن نے رخ نہیں پلٹا۔

"میں کیا کہہ رہا ہوں۔؟" اسکی آواز گھمبیر تھی۔ حکم صادر کرتی ہوئی۔ حق جتاتی ہوئی۔

"کیا کہہ رہے ہو۔؟" انا کو بالاتر رکھتے ہوئے وہ بلند آواز میں بولی۔

"روئی کیوں تھی۔؟" سوال غیر متوقع تھا۔ احسن جزبز سا معلوم ہو رہا تھا۔

"میں کیوں روؤں گی۔روئیں میرے دشمن۔"اس نے اترا کر کہا۔اسکی آنکھوں میں ابھرتی نمی، جسے وہ گالوں پر بہنے سے روک رہی تھی احسن بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

"کیوں مجھے بد دعائیں دے رہی ہو۔؟"وہ بلاتامل بولا۔

"تم میرے دشمن نہیں ہو۔"وہ بھی بلاتاخیر کہہ گئی۔

احسن کی آنکھوں کا تاثر بدلا۔

"پھر کیا ہوں؟۔"اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

امن نے اسکے دل کے مقام پر انگلی رکھی۔احسن کی دھڑکن تھم گئی۔وہ سانسیں روکے ہوئے اسے دیکھے گیا۔

امن نے دو قدم اٹھائے۔وہ اسکے قریب ہوئی۔

کیا وہ اس سے اظہارِ محبت کرنے والی تھی؟

یہ کیا کہے گی؟.... نہیں نہیں.....یوں نہیں....ابھی نہیں.....احسن نے سوچوں میں گم خاموش سی التجا کی۔

اس نے انگلی کو اسکے دل پر حرکت دی۔لب ڈھب۔دل دھڑکا۔احسن سے قدموں پر کھڑا ہونا محال ہوا۔

"جانی دشمن۔"وہ اسکی آنکھوں سے اپنے نین ملاتے ہوئے بولی۔احسن کا اٹکا سانس بحال ہوا۔

اس کے بعد امن رکی نہیں تھی۔احسن نے سفید لباس میں ملبوس لڑکی کو جس کے سیاہ بالوں میں سفید پھول سجے تھے خود سے دور جاتے ہوئے دیکھا۔امن نے تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس کے اور اپنے مابین فاصلہ بنایا۔اسے فاصلہ چاہیے تھا۔

احسن اپنے حواسوں میں لوٹتے ہوئے اس کے پیچھے لپکا۔وہ پھر سے جِن کی طرح اسکے سامنے حاضر تھا۔

اسے اپنے راستے میں حائل دیکھ کر وہ رک گئی۔اسکی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔اسے روتے ہوئے دیکھ کر احسن تحیر زدہ ہوا۔

"کیوں پریشان ہو۔؟"امن کے رونے میں روانی آئی۔

احسن کا دل کٹ کر رہ گیا۔امن کے اشکوں کا وزن اسکے دل کے لیے سہن کرنا دوبھر تھا۔

"میری باتوں کی وجہ سے رو رہی ہو۔آئی ایم سوری یار۔"وہ معافی مانگنے لگا۔

امن نے اس پر نرم نگاہ ڈالی۔اس نے اب کی بار اسکے حلیے کو بغور دیکھا۔وہ سفید جینز پر قرمزی رنگ کی شرٹ پہنے ہوئے تھا آستینوں کو کہنیوں تک موڑ رکھا تھا۔اسکی آنکھوں میں وہی نرمی جو ہر بار ہوتی تھی۔وہی اپنائیت جو ہر بار رستم کی یاد میں روتی ہوئی امن کے لیے ہوتی تھی۔

وہ ہر بار اسکا سہارا بنتا تھا۔وہ اسے رونے کی وجہ میں ترمیم کر کے بتاتی تھی۔

اب وہ پوچھ رہا تھا۔وہ کہا کہے؟

وہ اس کی آنکھوں میں خود کے لیے فکر دیکھ کر نفی میں سر ہلا گئی۔ لمحہ بھر میں لب کترتی ہوئی وہ ہچکیوں کی زد میں آگئی۔ احسن نے اس کے اور اپنے مابین فاصلہ ختم کیا۔ اسکے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیا۔

"مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟۔" وہ ہمیشہ کی طرح اسے پچکار رہا تھا۔ امن نے اسکے شانے پر پیشانی ٹکالی۔

احسن کو جب اسکے رونے کی وجہ معلوم نہ ہوئی تو وہ متذبذب ہوا۔ احسن نے اسکے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ پھر وہ اسے تھپکنے لگا۔ نرمی سے۔ پیار سے۔

"وہ چلے گئے احسن... وہ چلے گئے۔" آنسوؤں کی آمیزش میں وہ روانی سے کہہ رہی تھی۔ احسن مزید شش و پنج میں مبتلا ہوا۔

"کون چلے گئے۔؟" حیرت سے اسکے لب وا تھے۔

"ر۔۔۔ر سسستم۔"اس نے لڑکھڑاتے ہوئے کہا۔احسن کے سر پر گویا کوئی ایٹم بم آن گرا تھا۔

"کدھر چلے گئے؟۔"اس کے بالوں میں اسکی انگلیاں متحرک تھیں۔

"لاہور اور کدھر۔"وہ خاصہ بدمزہ ہوئی۔اسکے بے تکے سوال نے امن کے منہ کے زاویے بگاڑ دیے تھے۔

"نہیں نہیں۔ایسا نہیں ہو سکتا۔وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔"احسن کی آواز میں رنج واضح تھا۔امن نے حیرانی سے سر اٹھا کر اسے تکا جس کے تاثرات پل میں بدلے تھے۔اسے اپنا غم بھول گیا۔

"کیسا دھوکا؟۔"وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"میری ٹریٹ یار۔"امن سر پیٹ کر رہ گئی۔یہ لڑکا اور اسکا فری کا کھانا۔

"گدھا۔"اس نے دل ہی دل میں سوچا۔امن اسکی حالت دیکھ کر محض تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔

"وہ بے وفائی نہیں کر سکتا۔"اسکا غم بڑھتا جا رہا تھا۔امن کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوئیں۔

"وہ چلا گیا ہے۔میں کیسے یقین کر لوں۔"اسے تو گویا کوئی صدمہ لگ گیا تھا۔ امن کو اسکی دماغی حالت پر افسوس ہوا۔اس نے امن کو جھنجھوڑا۔ایسے جیسے وہ کسی بے ہوش وجود کو ہوش دلانے کی کوشش کر رہا ہو۔

امن کو اس پر غصہ آنے لگا۔

"میں کہہ رہی ہوں کافی نہیں ہے۔؟"اسکی آواز بہت بلند تھی۔احسن کا سکتہ ٹوٹ گیا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"کوئی بات نہیں چائے ہی پلا دو یار۔" وہ رسانیت سے بولا۔ اسکے لہجے میں تمسخر نہیں تھا۔ امن ماتھا پیٹ کر مڑی۔ اب کی بار وہ اسکو اوجھل ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"کھانا نہ ملنے سے بڑا غم بھی کوئی ہوتا ہے بھلا۔" بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ خود کلامی کر رہا تھا۔

"دھوکے باز۔" رستم کا سوچ کر وہ تاسف سے سر جھٹک کر رہ گیا۔

احسن شیرازی کے غم کی داستاں کو شیرازی ہاؤس کے باغیچے نے خود پر تحریر کر لیا۔

وہ دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ اپنے کمرے سے نکلی۔ ریلنگ پر جھک کر کہکشاں منزل کے دالان میں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ معمول کے مطابق اسی

حلیے میں تھی چہرہ دمک رہا تھا بالوں کا جوڑا بنایا ہوا تھا۔وہ خوش دکھائی دیتی تھی یوں کہ وہ رات میں کسی بھیانک خواب کا حصہ نہیں تھی۔یوں کی اس نے کچھ نہیں کھویا تھا۔یوں کہ اسکا کوئی نہیں بچھڑا تھا۔وہ ریلنگ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سیڑھیاں اتر کر متلاشی نظروں سے سیٹنگ ایریا میں پہنچی۔صوفوں کے پاس حارث کھڑا تھا۔

"حارث۔"اس نے آواز لگائی۔اسکی آواز پر بے چارے حارث کی سیٹی گل ہوئی۔اس نے سہم کر محض "جی "کہا تھا۔

اسکے لہجے کی لرزش کے کو بخوبی محسوس ہوئی۔وہ حیرت کا شکار ہوئی۔ سب اس سے اتنا کیوں ڈرتے تھے اتنی معصوم تو تھی۔

"عبداللہ سر کہاں ہے؟۔"اس سوال پر حارث کی جان میں جان آئی۔اس نے تھوک نگلا۔وہ بھلا کب ملازموں سے یوں مخاطب ہوتی تھی۔

"لان میں تھے۔"اب کی بار اس نے مستحکم لہجے میں کہا مگر نظریں جھکی ہوئیں تھیں۔

کہکشاں نے کچن کا رخ کیا۔اس نے کچن میں جھانکا باورچی اپنے کام میں مگن تھا۔دوپہر کا کھانا بن رہا تھا۔زارا آپا وہاں نہیں تھیں۔

"اب یہ کدھر گئیں؟۔"

جھنجھلا کر سوچا۔وہ بیرونی دروازے کی جانب بڑھی۔اس نے وہ عبور کیا۔ کھانے کی بھینی بھینی مہک یہاں تک آرہی تھی اسکی بھوک میں اضافہ ہوا۔مگر اس پل عبداللہ کی خفگی دور کرنے سے زیادہ اہم کچھ نہیں تھا۔دو سیڑھیاں اتری تو اسے سامنے ہی سنگی بینچ پر بیٹھے عبداللہ کی پشت نظر آئی۔موسم دل پسند تھا۔تیز ہوا چل رہی تھی۔ہمیشہ کی طرح اس نے سلیپرز اتارے اور ننگے پاؤں گھاس پر چلنے لگی۔گھاس نرم تھی مگر تر نہیں تھی۔

"عبداللہ۔"اس نے پکارا۔وہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔عبداللہ جھک کر کچھ لکھ رہا تھا۔اسکی آواز پر اس کے چلتے قلم کو بریک لگی نظریں ہنوز جھکی ہوئیں تھیں۔ اس نے کوئی جواب نا دیا۔اسکی اس قدر بے رخی اور بے اعتنائی پر کہکشاں کے دل کو

کچھ ہوا۔وہ جھکی۔اس نے گھاس پر گھٹنے ٹیک لیے۔ہیروں کا کاروبار کرنے والی، کے کے کریئشنز کی مالک، نے گھٹنے ٹیک دیے۔؟

محبت انسان سے سب کچھ کروالیتی ہے۔یہ بڑے بڑے اناپرستوں کا گھمنڈ توڑ کرر کھ دیتی ہے۔محبت ایسی شمشیر ہے جو شاہوں کو زیر کر دیتی ہے۔

وہ بھی تو محب تھی۔

"عبداللہ آئی لو یوناں۔"اسکا لہجہ نرم تھا۔آواز مدھم تھی۔

"جتارہی ہیں یا تصدیق چاہیے؟"برف سے سرد لہجے میں کہا۔

"تمہیں حقیقت نہیں معلوم۔"اسکی سرد مہری پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

کہکشاں کو سب منظور تھا جھکنا نہیں۔اسے وہ اب اپنے انداز میں منائے گئی۔

اُکھڑ، مغرور، متکبر اور منفرد۔

"پہلے والی سے واقف تھا اب کی سے نا آشنائی ہے۔" وہ نرمی سے اسکی گردن پر چاقو پھیر رہا تھا۔

"حقیقت میں ترمیم نہیں ہوئی البتہ تم غلط فہمی کا شکار ہوئے ہو۔" منانے کی ایک اور کاوش۔

"آپ مجھے غلط کہہ رہی ہیں۔" اس نے آبرو اٹھا کر اپنے سامنے کھڑی کے کے کو دیکھا۔ کے کے کو اسکی آنکھوں میں کچھ کھٹکا۔ ان میں کچھ پنہاں تھا۔ آج وہ مختلف کیوں لگ رہا تھا؟۔

عبداللہ نے کہکشاں کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ "کے کے غلط کو غلط کہنے کی عادی ہے۔" عبداللہ کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ کیا شاہانہ انداز تھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔ وہ خود کو مسکرانے سے باز رکھ رہا تھا۔

"ہنس لو مجھے برا نہیں لگے گا۔" وہ جو مسکراہٹ ضبط کر رہا تھا لمبی سانس بھر کر رہ گیا۔ کے کے سے بھلا کچھ چھپ سکتا تھا۔ عبداللہ کو اپنی بے اختیاری پر رنج ہوا۔

"آپ کو اچھا برا لگنے کی پرواہ کسے ہے؟۔" کاٹ دار لہجے میں کہتا وہ پھر سے انہماک سے ورق پر کچھ لکھنے لگا۔ وہ ارد گرد سے بے نیاز محسوس ہوتا تھا۔ چند پل بعد اس نے نظریں اٹھائیں۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ تیر کی تیزی سے گردن موڑی۔ وہ جاتے ہوئے اسکی پشت دیکھ رہا تھا۔ اسے ملال اور شرمندگی نے آن گھیرا۔ اپنی سفاکیت کا احساس ہوا تو وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔ اب وہ اسے کیسے منائے گا سر کھجاتے وہ جزبز ہوا۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ بادل اسکی بے وقوفی پر رقص کرتے اسکا حظ اٹھا رہے تھے۔

www.novelsclubb.com

لاہور میں بوندا باندی کا سلسلہ عروج پر تھا۔فلک پر کالی گھٹاؤں نے بسیرا کیا ہوا تھا،یوں کے دن کے اجالے میں بھی رات کا سا گمان ہو رہا تھا۔اس سب میں اسکے کمرے کی دیوار گیر کھڑکی کے، شیشے کے پٹوں پر گرنے والی موسلا دھار بارش خاموش ماحول میں ارتعاش پیدا کرتے ہوئے اسکی نیند میں خلل ڈال رہی تھی۔

اس نے پِلو(pillow) کو کان پر دھر لیا اور کروٹ بدلی۔وہ بارش کی آواز سے پریشان ہو رہا تھا۔نیم بے ہوشی میں وہ کروٹ پر کروٹ لیے بے چینی سے، پھر سے نیند کی وادیوں میں اترنے کی چاہ رکھتا تھا۔

چند پل بیتے تھے کہ اسکی بھاری سانسوں کی آواز بھی کمرے میں گونجنے لگی۔ وہ پھر سے سو گیا تھا۔اسی لمحے،اسی پل،اسکی آنکھ کھٹکے سے کھل گئی۔خالی الذہنی سے کمرے میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔پھر بیڈ سے اتر کر وہ آنکھیں ملتا ہوا بے زاری سے، ننگے پاؤں دروازے تک پہنچا جسے کوئی بہت بری طرح پیٹ رہا تھا۔

"آ۔۔۔گیا" خمار بھری آواز میں کہا۔

اسکے دروازہ کھولنے کی دیر تھی کہ سامنے کھڑا شخص اس سے لپٹ گیا۔

مضبوط حصار میں لیتے ہوئے وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ مگر اسکا دماغ ابھی کچھ بھی پراسیس نہیں کر پا رہا تھا۔

"آپ کب آئے؟" رستم نے اسے کہتے ہوئے سنا۔

وہ خود ہی اس کو اپنے حصار سے آزاد کرتے کمرے میں داخل ہوا۔

"مجھے خان بابا نے بتایا۔ جانتے ہیں میں باہر جا رہا تھا۔ جب انہوں نے پوچھا بھائی سے مل لیے برخوردار۔" اور میں ہنس دیا کہ مجھے تو آپکے آنے کس معلوم ہی نہیں تھا۔

وہ اپنی سنائے جا رہا تھا۔ جبکہ رستم کی نظر کمرے کی بکھری حالت پر پڑی تو چند گھنٹے پہلے کا واقع آنکھوں کے پردے پر لہرانے لگا۔ اسکی آنکھوں میں سرد تاثر ابھرا۔

www.novelsclubb.com

"یہ لیور نہیں ہے لیور ڈیزیز ہے" احسن پھر سے کہہ رہا تھا۔اس بار رستم نے اسے نہیں جھٹلایا۔اسکی نفی نہیں کی۔اس بار وہ اس سے متفق تھا۔

"دیکھ لیں میں آپ سے ملنے آگیا آپکو میرا خیال نہیں آیا"

"مجھے فضول خیال نہیں آتے" رستم نے سرد لہجے میں جواب دیا۔چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔

"ہاہاہا۔۔۔بھائی آپ بھی ناں مزاق اچھا کر لیتے ہیں" وہ شرمندہ سا ہنس دیا۔ پھیلایا ہوا رائتہ سمیٹنے آیا تھا تھوڑی سی بے شرمی اس پر لازم تھی۔

"اوہ۔تو تمہیں یہ مزاق لگا۔ویری فنی" وہ ہاتھ چہرے پر پھیرتے ہوئے ریموٹ سے اے سی آن کر رہا تھا۔ٹمپریچر سیٹ کرتے ہوئے ریموٹ کو بیڈ پر اچھالا۔

"کیسی رہیں چھٹیاں؟"

"آپ کے بنا کیسی ہو سکتی ہیں؟۔" وہ بیڈ شیٹ کے پھولوں پر انگلیاں چلاتے ہوئے اداسی سے بولا۔

رستم نے بھنویں اچکا کر خاموش داد دی۔

"بہت اچھی ہوں گی یقیناً۔" وہ جو ہر بات پہ مقابل کا دل رکھ لیتا تھا کاٹ دار لہجے میں ٹکا سا جواب دے گیا۔

" اتنی بے اعتباری بھائی۔" وہ مایوس ہوا۔ اسے یہ جواب پسند نہیں آیا تھا۔

"بے تو ہٹاؤ چھوٹے" اسکی پسند کو بھاڑ میں جھونک کر وہ اپنی بات پر ڈٹا رہا۔

"بھائی آئی ایم سوری۔" وہ جھٹ سے مدعے پر آیا۔

"وہ کس لیے۔" وہ کمرے میں میز کے پاس پڑی کرسی گھسیٹ کر اسکے مقابل آن بیٹھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

احتشام کا سانس حلق میں ہی اٹک گیا۔رستم کی برفیلی نگاہوں نے اسے خوف میں مبتلا کر دیا۔

"میں نے اپنی کمپنی سے پیسے کھائے۔مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"وہ سر جھکا گیا۔یوں کہ اپنے عمل پر وہ بہت نادم ہو۔

رستم معتجب سا اسے دیکھے گیا۔بچپن سے تصنّع اپنائے ہووؤں کے لے اداکاری مشکل تھوڑے تھی۔

رستم کی آنکھوں میں لہو امنڈنے لگا۔

"تم نے میری کمپنی سے پیسے کھائے۔تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" بادل کی گرج سے زیادہ اسکا لہجہ خوفناک تھا۔احتشام کا دل لرز گیا۔رستم کے "میری کمپنی" کہنے پر وہ شدید شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔وہ جو معاملہ آرام سے ہینڈل کرنے کا سوچ کر آیا تھا اسے اب لفظوں کی قلت کا سامنا تھا۔

"بھائی میں اب ہماری کمپنی کو بلندیوں پر لے جاؤں گا۔" وہ پُر عزم سا اسے بے وقوف بنانے کی ایک اور کوشش کر گیا۔اس بار اس نے "میری کمپنی" نہیں کہا تھا۔

"میری کمپنی کو پرواز کے لیے تمہاری ضرورت نہیں ہے چھوٹے" پیار سے بے عزت کیا۔

"آئی نو آپ خفا ہو۔آپکا بنتا ہے بھائی۔مگر آئی ایم سوری۔" کھڑکی پر برستی بارش کا شور، اور اسکے مقابل بیٹھا وہ شخص اسے بلکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔اسے بارش پسند تھی اور وہ شخص بھی جو مقابل تھا۔اس پل اسے دونوں سے کوفت ہوئی۔کرسی کھسکھا کر آگے کو ہوا۔اسکے گال پر ہاتھ رکھا۔نرمی سے۔آہستگی سے۔

"اٹس اوکے۔میں خفا نہیں ہوں۔" مسکراتے ہوئے کہا۔

احتشام کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"سچ بھائی ؟۔" تصدیق چاہی۔

"اوہ ہاں رستم طیار جھوٹ نہیں بولتا۔" خود ہی خود کو تسلی دی۔ گال پر رکھے اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔

" تھینکس بھائی۔ آپکو پتا ہے ماں مجھے ڈانٹ رہیں تھیں۔ اور کہہ رہیں تھیں کہ رستم تمہیں چھوڑے گا نہیں۔" وہ سپاس گزاری سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ جو اسکا ہاتھ تھام کر بیٹھا تھا رستم نے دوسرا ہاتھ اسکے ہاتھوں پر رکھا۔

"ماں کو کہنا میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔" مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ آنکھوں میں بے اختیار امنڈتی نمی کو وہ پیچھے دھکیلتے ہوئے مستحکم لہجے میں گویا ہوا۔

"ہاں اور ماں حیران ہو جائیں گی۔" رستم نے اسے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔ باخدا رستم نے اسے چھوڑا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ خوش تھا۔ حقیقت عیاں ہوئی تھی وہ حقیقت جو آج سے قبل اسکی آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ اسکی عقل میں نہیں آئی۔ اسکو سمجھ میں نہیں آئی۔

خود سے جڑے لوگوں کے رویوں کی سمجھ، لہجے سے آگاہی، انکے جملوں کا زہر، اور انکی آنکھوں میں حقارت دیکھ کر وہ متحیر ہوا۔

حیرت تو اسے ہوئی تھی۔ حیران تو وہ ہوا تھا۔ ماں حیران کیوں ہونے لگیں؟۔

جبڑے بھینچے، لبوں کو پیوست کیے وہ ضبط کے آخری مرحلے پر تھا۔ اسکے لیے یہ مشکل تھا۔ یہ "تصنع" اسکے بس کا نہیں تھا۔

وہ جس کا اندر، باہر ایک سا تھا اسکے لیے دکھاوا کھٹن تھا۔

"میں ماں کو بولوں گا بھائی نے مجھے چھوڑ دیا۔" وہ خوشی سے چہکا۔

"شاباش" گال تھپکتے داد دی۔

"رستم نے بہت کچھ چھوڑ دیا۔ رستم بہت کچھ چھوڑ سکتا ہے۔" باہر بادل نے گرج کر اس بار رستم کو داد دی۔

www.novelsclubb.com

رستم کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شو ریک میں سے سلیپر زاڑستے ہوئے۔
کھڑکی کے پٹ کھول دیے۔

ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اور بارش کے قطروں نے اسے پُرسکون کر دیا۔ وہ سامنے
تھا تو بارش سے کوفت ہو رہی تھی۔ اسے پیچھے چھوڑ کر یہ منظر حسین ہو گیا تھا۔

انسان جب اپنی زندگی میں فضول لوگوں سے چھٹکارا پالے تو زندگی حسین ہو جاتی ہے۔ دوغلے انسانوں سے دستبرداری زندگی کو گلزار بنا دیتی ہے۔

مگر افسوس کہ ہر کوئی ان پھولوں کی مہک سے لطف نہیں لے پاتا۔

رستم بارش کی آغوش میں کھڑا ہر منظر کو فراموش کر گیا۔ بوندوں کی مہک
اور دل کا درد اسے الگ زندگی سے روشناس کرا گیا۔

پورچ میں کھڑی اسکی گاڑی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ سامنے سے نظر آتے
لان میں کاسنی رنگ کے پھول اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

وہ جو پھولوں کو دیکھ رہا تھا۔احتشام کو اسکے کندھے سے کندھا ملائے کھڑا دیکھ رخ اسکی جانب موڑا۔وہ پانی کے قطروں کو ہتھیلی میں قید کر رہا تھا۔

"ہر جگہ زور نہیں آزماتے۔کچھ چیزوں پر ہمارا زور نہیں چلتا۔"نرمی سے کہا۔آنکھیں فلک پر کچھ تلاش رہیں تھیں۔

"محبت سے زور آزما رہا ہوں۔"

"تمہیں تو بارش پسند نہیں تھی۔"

"محبت سب حسین بنا دیتی ہے۔"وہ عجب فسوں میں ڈوبا ہوا کہہ رہا تھا۔

رستم نے اسے نہیں کریدا۔

محبت لفظ نے رستم کی آنکھوں پر کاری وار کرتے انہیں زخمی کر دیا۔یک دم دل میں درد کی لہر اٹھی۔کاسنی رنگ کے پھولوں کا رنگ زرد پڑ گیا۔آنکھوں کے پردے پر کچھ لہرایا اور وہ بے اختیار آنکھیں موند گیا۔

www.novelsclubb.com

رستم کو اسے قید کرنا تھا۔

محبت سے محبت کو قید کرنا تھا۔

وہ جو دل کا حصہ تھا آنکھوں میں بسا تھا۔ مگر تھا بعید کہیں۔

دن ڈھل چکا تھا اب ہر سو تاریکی کا راج تھا۔ اسی اثناء میں عبداللہ نے کہکشاں کے کمرے میں جھانکا کمرہ بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس نے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھام رکھی تھی۔ وہ اسے ناراض کر کے اب منانے کے لیے آیا تھا۔ یہ بات تو تہہ تھی کی ضد میں کے کے سے کوئی نہیں جیت سکتا تھا۔ تبھی سو دفعہ زارا آپا کے کہنے کے باوجود اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس سے کھایا ہی نہیں گیا۔

"آپی ؟۔" وہ کہنی سے دروازے کو بند کرتا ہوا اندر آیا۔

اس نے ایک ہاتھ بڑھایا اور "چک" کی آواز سے بتیاں روشن کیں۔ پھر حیرت سے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کہ بیٹھی کہکشاں کو دیکھا۔

عبداللہ نے لب کترے۔ وہ ہمت کرتے ہوئے اس کے پاس جا بیٹھا۔ کھانے والی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔" اس نے تمہید باندھی۔

کہکشاں خاموش سی اسے تک رہی تھی۔ عبداللہ کو اسکی آنکھوں سے خوف آیا۔

"مجھے کھانا کھلا دیں۔" اس نے پھر سے ٹٹولا۔ وہ ہنوز خاموش تھی۔ چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ۔ عبداللہ نے سرد آہ بھری۔

شہادت کی انگلی کو دانتوں تلے دبایا۔"اب وہ کیا کرے ؟"۔وہ ابھی بھی کے کے کی نظروں میں تھا۔اس نے بھی ٹھان لی تھی بس دیکھ دیکھ کر ڈرائے گی۔ بولے گی کچھ نہیں۔

کہکشاں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔اس نے گلاس وال پر گرے قطروں کو دیکھا۔گلاس وال پر گرنے والی بارش کی آواز موہوم سی تھی۔

"کیسارہا کراچی کا سفر۔؟ مسکراتے ہوئے پوچھا۔

مگر کے کے کی گھوری کو دیکھ کر مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"اچھاہی ہوگا۔"خود ہی بڑبڑایا۔

"آپ بہت پیاری لگ رہیں تھیں۔ بلکل گڑیا جیسی۔"

اس نے اسکے پھولے ہوئے گالوں کو ہاتھوں کی انگلیوں میں بھرتے ہوئے کہا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"پتھر کی؟۔" وہ سوال کر گئی۔ عبداللہ کے دل میں سکون سا اترا۔

وہ زہر ہی اُگلے مگر بولے سہی۔

"اونہوں۔ پتھر سے بھی زیادہ مضبوط۔" وہ مان سے بولا۔ انداز میں کے کے پر فخر صریح تھا۔

"کھانا کھالیں پلیز۔" وہ اب مدعے پر آیا تھا۔

خاموشی۔۔۔۔

"میرے لیے۔" اس نے التجا کی۔

"تم کون ہو۔؟" وہ کھڑ کھڑا کے کہہ گئی۔ عبداللہ کا رنگ فق ہوا۔ دل پر کچھ ٹھاہ کر کے لگا۔

"آپ کو اچھا برا لگنے کی پرواہ کسے ہے۔؟" اس نے بھی تو سوال ہی کیا تھا۔ وہ بھی سوال کر رہی تھی۔ عبداللہ کا دم گھٹنے لگا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"آئی ایم سوری۔" وہ شرمندہ تھا۔

"وہ کس لیے۔" ہاتھ سینے پر باندھے اس نے پشت کو بیڈ کراؤن سے ہٹالیا۔

عبداللہ کا گلٹ بڑھتا جارہا تھا۔ "میں نے آپ سے مس بہیو کیا۔" اسکی آواز مدھم ہورہی تھی۔

"میں کون ہوں۔؟"

عبداللہ سے کوئی جوب نہیں بن پایا۔اس نے اسے لفظوں کی سفاکیت دکھائی تھی اب وہ بھی اسے لفظوں کی مار مار رہی تھی۔

زہر بھرے لفظوں کا کوئی توڑ نہیں ہوتا۔ان کا زہر قطرہ قطرہ انسان کو اندر سے ختم کردیتا ہے یوں کہ انسان چلتی پھرتی لاش بن کر رہ جاتا ہے۔

"آپ خفا ہیں۔؟" عجیب سوال تھا۔اسکی حالت بھی عجیب تھی وہ کہکشاں سے اس مباحثے میں نہیں جیت سکتا تھا۔

کہکشاں تھوڑا آگے کو جھکی۔"تمہیں پرواہے۔؟"

"آپ کو اچھا برا لگنے کی پرواہ کسے ہے؟"اس کے اپنے الفاظ تمانچے کی طرح بے رحمی سے اسکے دل پر لگے۔

بے بس نگاہوں سے اسے دیکھا۔"معاف نہیں کریں گی۔؟"

"کے کے نے کبھی کسی کو معاف نہیں کیا۔"وہ ترخ کے بولی۔

عبداللہ نے بمشکل خود کو رونے سے باز رکھا۔کے کے ایسی ہی تھی وہ جانتا تھا مگر اس کے لیے وہ مختلف تھی۔نرم مزاج اور شہد کی پڑیا۔

اسکے لفظوں کا زہر سہنا اسکے لیے کٹھن تھا۔

"تم جاؤ اب۔۔۔"اسکی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ عبداللہ نے اسکو حصار میں لیا۔یوں جیسے کوئی پیارا برسوں بعد لوٹ کر آیا ہو تو اسکو گلے لگاتے ہیں۔ عبداللہ کی گرفت مضبوط تھی۔کہکشاں نے لمبی سانس لی۔

یہ وار شکست کا سبب بنا۔

یہی وہ لمس تھا جس پر پتھر کی گڑیا موم کی طرح پگھل کر ڈھیر ہوگئی۔

گلاس وال پر بارش کے قطروں نے اُدھم مچا دیا۔شاید وہ خوشی سے جھوم رہے تھے۔

اسکے بعد عبداللہ اور کہکشاں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔اب وہ دونوں نوالے بنا بنا کر ایک دوسرے کو کھلا رہے تھے۔رات کے اندھیرے نے انکی خفگی کو بھی نگل لیا تھا۔

ساون کے مہینے میں اس پل رات گہری ہوچکی تھی۔فلک پر سیاہ بادلوں نے مہتاب کی چمک کو خود میں قید کر رکھا تھا۔اسی پہر سنسان سڑک جو دونوں اطراف سے درختوں سے ڈھکی تھی وہاں آؤ تو ساون کی جھڑی میں بھی کوئی شخص،

پنڈلیوں تک آتے ہوئے لمبے بوٹ اور لمبی برساتی پہنے چھتری کے سائے میں تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔یہ وہی شخص تھا جسے تم نے ایک بار پہلے بھی رات کے اندھیرے میں سڑک پر چلتے ہوئے دیکھا تھا۔اب کی بار راستہ مختلف تھا۔اور منزل ؟؟

اس پل سناٹے میں کسی کا شور تھا تو وہ ہوا سے جھومتے درختوں کی سرسراہٹ کا، کبھی کبھار دور کہیں بھونکنے والے کتوں کا،اور اسکے بھاری بوٹوں کا۔

سڑک پر پانی بھرا ہوا تھا۔اسکے بھاری بوٹوں کی آواز اس میں چھپتی اور ابھرتی۔سڑک کے سنگلاخ پتھروں پر موسیقی کے مدھم سے سُر بکھر رہے تھے۔

چھپک.....چھپک.....چھپک.....

لمحہ بہ لمحہ قطروں کے نزول میں بہتات ہو رہی تھی مگر وہ پر عزم سا اپنی منزل کی جانب بڑھ رہا تھا۔جس قدر اندھیرا تھا دور دور تک کوئی شے دکھائی نا پڑتی

تھی مگر وہ رواں دواں تھا یوں کہ وہ راستے سے بخوبی واقف ہو۔ یوں کہ اسے معلوم ہو کہ یہ راستہ اسے وہیں لے جائے گا جہاں اُسے جانا تھا۔

وہ کچی سڑک کی جانب مڑا۔ وہ سڑک تھوڑی ڈھلوانی تھی۔ وہ ڈھلوان سے اترا۔ اب وہ جدھر تھا وہ درختوں سے بھرا ہوا جنگل تھا۔ پانی کی وجہ سے مٹی کی کچی راہداری پر چلنا محال تھا۔ مگر اسکے جوتوں نے اسے چلنے میں مدد دی۔ اسکے مہنگے جوتے اب مٹی سے لدے جا رہے تھے مگر پرواہ کسے تھی۔؟

اسے محسوس ہوا جیسے کچھ تھا جو اسکے تعاقب میں تھا۔

وہ رکا.... آواز نہیں تھی۔

اس نے قدم اٹھایا.... اسکے قدموں کی آواز۔

مگر وہ یوں کیوں محسوس ہوتی تھی جیسے دو لوگ ایک ساتھ قدم اٹھا رہے ہوں۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اسکے پر عزم چہرے پر سر گرداں سا تاثر آیا۔ماتھے پر شکنیں بڑھ گئیں۔

وہ رکا۔ارد گرد نگاہ دوڑائی۔اس نے درخت کی ایک ڈالی کو توڑا۔وہ ڈالی چھوٹی تھی مگر مضبوط۔درختوں کے پتّے پانی کی بوچھاڑ سے نڈھال ہو کر جھک گئے تھے۔

اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

اتنے گھنے جنگل میں،اندھیری رات میں،کوئی خطرناک جانور ہی ہو گا۔اس نے سوچا۔

دھرتی پر سب سے خطرناک جانور "انسان" ہے۔

کوئی اسے بتلائے۔

بارش کی رِم جھم،پانی کی جل تھل،اور پتوں کی سرسراہٹ میں ایک اور آواز فضا میں گونجنے لگی۔

وہ شخص سیٹی بجا رہا تھا۔دُھن دل فریب تھی۔دور کسی پرندے نے اس دُھن پر رقص کیا تھا۔

وہ دھن بجاتے ہوئے پھر سے پکی سڑک پر آنکلا۔

وہیں کونے میں اسکی منزل تھی۔

وہی دکان...وہی جگہ...

وہ دکان سڑک کے کنارے پر تھی۔اس سے آگے جاتے جاؤ تو وہ جگہ رونقوں والی تھی۔ایک سیدھ میں متعدد دکانیں۔

آج زرد بتی بارش کی وجہ سے جل،بجھ رہی تھی۔

روشنی...اندھیرا۔

روشنی....اندھیرا۔

روشنی.....اندھیرا۔

اس نے سر اٹھا کر بلب کو دیکھا۔اسکی گردن کالر میں چھپی تھی اور آنکھوں میں انتقامانہ خلش کی لالی تھی۔وہ حسین ہو کر بھی خوفناک لگ رہا تھا۔

انتقام انسان کو بھیڑیا بنادیتا ہے۔

وہ شٹر اٹھا کر اندر آیا۔اندر بتیاں روشن تھیں۔اسے دیکھ کر رسیوں میں لپٹے رازی کا چہرہ متغیر ہوا۔اس نے بے اختیار ہو کر تھوک نگلا۔اس نے چھتری بند کرتے ہوئے دیوار کے سہارے کھڑی کی۔وہ برساتی اتارتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ سرخ رنگی شرٹ میں ملبوس تھا۔جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا ویسے ویسے سفید ماربل فرش پر مٹی سے لتھڑے اسکے جوتوں کے نشان بن رہے تھے۔

"کیسے ہو رازی۔؟" برف سے سرد لہجے میں پوچھا۔

"کیسا ہو سکتا ہوں؟۔"رازی کا لہجہ مضبوط تھا مگر پیشانی پر قطرے کوئی اور رو داد سنا رہے تھے۔

"اچھے ہو سکتے ہو جو مجھ سے اچھا سلوک کرو۔"اس نے پاس پڑی لکڑی کی کرسی کو دھکیلا۔"چرررررر"کی آواز سے رازی ہیبت زدہ ہوا۔وہ شخص اب اسکے مقابل بیٹھا تھا۔

"رات لمبی ہو گئی ہے۔"رازی کے لب ہلے۔آواز درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"مجھے اسکا پتہ بتادو ورنہ رات بہت لمبی ہو سکتی ہے۔"

اسکا"بہت"ضرورت سے زیادہ لمبا تھا۔رازی کچھ نا بولا۔اسکے چہرے پر عزم کی پرچھائیاں تھیں۔وہ کچھ نہیں بتائے گا یہ تو شاید تہہ تھا۔

رازی نے اسکے خالی ہاتھوں کو دیکھا جن پر پانی کے قطرے ابھی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"آج کھانا نہیں لائے؟۔"

"آج حلق سے اتر جاتا تمہارے؟۔" اسکے لہجے کی خنکی سے رازی کی ریڈھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

"میں بھوکا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔

"میں بھی بھوکا ہوں۔ جب تک میں خٹک کو پکڑ نہیں لیتا میری بھوک نہیں مٹے گی۔" اس نے درشتی سے کہا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بڑھتی جا رہی تھی۔

"یہ بھوک کبھی نہیں مٹے گی۔" اسکا لہجہ بھی کاٹ دار تھا۔

مقابل کے جسم میں غصے کا لاؤا رگوں میں بہتے لہو کی طرح دوڑنے لگا۔

کنپٹی کی نسیں پھول گئیں۔ اس نے جبڑے بھینچ لیے۔

اس نے پوری قوت سے رازی کی کرسی کو پاؤں سے ٹھوکر لگائی۔ رازی کرسی سمیت فرش پر ڈھیر ہوا۔

مقابل اسے دیکھ کر ہنسا۔ پھر قہقہ لگایا۔

رازی نے اسے گھٹنوں سے پینٹ اوپر کھینچتے ہوئے اور فرش پر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔

"بتاؤ گے یا نہیں؟۔" وہ اسکا جبڑہ دبوچے ہوئے بولا۔

"نہیں۔" رازی نے بمشکل کہا۔ جبڑے پر گرفت مزید مضبوط ہو گئی۔

"جان پیاری ہے یا نہیں؟۔" اب کی بار جواب نہیں آیا۔ اس نے جبڑا چھوڑا اور استہزائیہ ہنسی ہنسا۔

زمین پر نڈھال رازی نے اسے دیکھا۔ "میں اسے دھوکہ نہیں دوں گا۔"

"تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے رازی۔" وہ اسکا گال تھپک رہا تھا۔

"تم کچھ نہیں کر سکتے۔" رازی نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔

افسوس وہ گال نہیں تھپک سکا۔

"میں جو کر سکتا ہوں وہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔" مضبوطی سے رازی کی کرسی کو زمین سے اٹھاتے ہوئے سیدھا کیا۔ وہ پھر سے اسکے مقابل کرسی پر بیٹھ گیا۔

رازی کے لب مسکرا رہے تھے۔ اسکے جسم اور چہرے پر زخموں کے نشان تھے۔ یقیناً پچھلے دنوں میں بھی وہ شخص یہاں آتا رہا تھا۔

"مجھے بتا دو رازی ورنہ جان سے جاؤ گے۔" وہ طیش سے غرایا۔

"تمہاری دھمکی کھوکھلی ہے۔"

اس نے ایک تھپڑ رازی کی گال پر جھڑا۔ آواز گونجی۔ رازی کے گال پر سرخ چھاپ دیکھے وہ مسکرایا۔

"تم مجھ سے واقف نہیں ہو۔" وہ اب اسکے گال پر نرمی سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔

رازی کے گال پر جلن میں اضافہ ہوا۔

"میں تم سے واقف ہوں"۔ رازی نے اسکی آنکھوں میں جھانکا۔

"تمہارے دل میں رحم ہے اور رحم دل جلاد نہیں ہوتے۔" وہ بہت یقین سے کہہ رہا تھا۔اس کے ان لفظوں پر مقابل کی آنکھیں غیر انسانی تھیں۔

"چٹاخ "ایک اور تھپڑ۔

"تم مجھے نہیں جانتے۔" پھر سے باور کرایا گیا۔رازی کا گال اب بھٹی کی مانند جل رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔" وہ اپنی بات پر اٹل رہا۔"تمہارا انتظار لمبا ہے مگر ارادے کھوکھلے ہیں۔تم اُسے پانے کی راہ میں کچھ غلط نہیں کرنا چاہتے۔" وہ ہنوز اسی اطمینان اور وثوق سے کہہ رہا تھا۔

"چٹاخ۔" ایک اور تھپڑ۔اسکی آنکھیں لہو چھلکا رہیں تھیں۔

"تم میرے ارادوں سے نہیں واقف۔"

"میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ تمہاری رگوں میں خٹک سے بدلے سے زیادہ اپنی محبوبہ کو پانے کی چاہ ہے۔" رازی کی آواز بلند تھی۔

"گندی زبان سے زکر مت کرنا اُسکا"۔ اس نے ٹوکا۔

رازی اسکی نہیں سن رہا تھا۔ وہ اپنی کہے جا رہا تھا۔

"چاہت ہر جذبے پر بھاری ہوتی ہے۔ محبت کے ڈسے ہوئے زہر نہیں اگلتے۔ ہتھیار چلانا ان کے بس کا نہیں ہوتا۔" اسکی رگیں تن گئیں۔ رازی تھوڑا آگے کو ہوا۔ اس پر افسوس بھری نگاہ ڈالی۔

"مان لو کہ تم بے بس ہو۔" اس نے للکارا۔

"میں تمہاری جان لے لوں گا۔" وہ سفاکیت سے بولا۔

"تمہارے بس کا نہیں ہے بچے۔" رازی نے استہزائیہ کہا۔

اس شخص کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو رہی تھی۔ سامنے رسیوں میں لپٹے وجود کی چلتی سانسیں دیکھ اسکے جسم میں لہو، آگ کی طرح دہکنے لگا۔

"کلمہ پڑھ لو رازی۔" اس نے کمر پر ہاتھ لے جاتے ہوئی پستول نکال لی۔

"چلانا جانتے ہو یا سکھاؤں؟۔" وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔

بول ختک کہاں ہے۔؟ رازی پستول کے نشانے پر تھا۔

کرسی پر بیٹھے رازی کی آنکھیں مسکرا رہیں تھیں۔ وہ اسکا اشتعال طبع کر رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

مقابل کر وہ کی زد میں اس قدر تیزی سے اٹھا کہ اسکی کرسی زمین پر دھڑام سے گری۔

"جان سکتے ہو تو جان لو۔" رازی نے شانے اُچکائے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"جان سے جاؤ گے رازی۔" وہ قہر بار انداز میں بولا۔

"تو مار دو..." وہ عجب بے نیازی سے کہہ رہا تھا جیسے پستول اس پر نہیں کسی اور پر تانی گئی ہو۔ جیسے نشانے پر کوئی اور ہو رازی نہیں۔

اس نے ٹریگر پر انگلی رکھی۔

"خدا حافظ۔" رازی بولا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔

"تم ابھی بھی بچ سکتے ہو رازی۔" اس نے جیسے اطلاع دی۔

"تمہیں میری زندگی سے کیا۔؟ تم مارو ناں۔ تم نہیں مار سکتے.... تم مجھ سے کچھ اُگلوا نہیں سکے تم مجھے مار بھی نہیں سکتے۔" وہ جواں آگے بڑھا۔ پستول رازی کی گال پر دے ماری۔ خون اسکی جلد کو چیرتا فوارے کی طرح بہہ نکلا۔

"بول وہ کہاں ہے ؟۔" اس نے سختی سے کہا۔ رازی کے سانسوں کا زیر و بم اسے پُر سکون کر گیا۔

"بتاتا ہوں بتاتا ہوں۔" وہ لڑکھڑاتے ہوئے بولا۔خون ابھی بھی بہہ رہا تھا۔

وہ شخص پیچھے ہٹا۔منتظر نظریں رازی پر تھیں۔رازی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"چچ... تمہیں لگا میں ڈر گیا؟۔"رازی کی آواز کانوں سے ٹکرانے کی دیر تھی۔اس نے پھر سے رازی کو نشانے پر لیا۔

"مار بھی دو۔"رازی اسے اکسا رہا تھا۔

اس نے پھر سے انگلی ٹریگر پر رکھی۔

"چلاؤ...."اسکی آواز بلند تھی۔خون تیزی سے بہنے لگا مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔

"ایک۔۔۔۔"پستول تھامے لڑکے کی دھڑکن تیز ہوئی۔

"دو۔۔۔" رازی گن رہا تھا۔ مرنے والا خود اپنے مرنے کا کاؤنٹ ڈاؤن کر رہا تھا۔

"تین....." ٹریگر دبا دیا گیا۔ عقب سے دل دہلا دینے والی آواز ابھری اور رازی کے پیٹ سے شرٹ خون میں رنگ گئی۔ مقابل نے متحیر نگاہوں سے خون میں لپٹے اسکے وجود کو دیکھا۔ پھر اپنے ہاتھوں میں پستول کو دیکھا۔

"رازی۔۔۔" اسکے لب ہلے آواز نہیں آئی۔ وہ رازی کی بند ہوتی آنکھیں اور اسکے چہرے پر رقم درد کی داستاں کو پڑھ سکتا تھا۔ وہ ششدر تھا۔

ہڑبڑا کر اپنی پستول کی میگزین باہر نکالی۔ وہ خالی تھی۔ آواز عقب سے آئے تھی۔ اس نے رخ موڑ کر دیکھا تو شٹر میں چھید تھا۔

اس نے متوحش ہو کر رازی کی رسیاں کھولیں۔ وہ اسکا زخمی گال تھپک رہا تھا۔ رازی کی آنکھوں میں سکون تھا۔ اس کے مردہ ہوتے وجود نے اسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ رازی کے ہاتھ میں سرخ اسٹکی نوٹ تھا۔ وہ اسے دینا چاہ رہا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اس نے وہ اسٹکی نوٹ تھام لیا۔وہ رازی کو آوازیں دے رہا تھا۔شٹر کے اس پار کچھ گرنے کی آواز آئی۔وہ برق رفتاری سے اٹھا۔شٹر ہٹا کر باہر آیا۔تیزی سے اٹھائے جانے والے قدموں کی آواز تھی۔آواز بھاری نہیں تھی۔وہ دکان سے باہر آگیا تھا۔بارش سے اسکی بصارت دھندلا گئی تھی۔وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔؟

بلآخر وہ اس راستے کی جانب بڑھا جدھر سے وہ آیا تھا۔

بجلی کی چمک میں بھاگتا ہوا ایک وجود اسکی نظر میں آیا۔وہ اسکا پیچھا کرنے کے لیے بھاگا۔

چند قدموں کے بعد وہ کیچڑ سے پھسل کر بری طرح گرا۔جتنی دیر میں وہ سنبھل کر اٹھا وہ وجود وہاں نہیں تھا۔چمکتی بجلی کی دن کی سی روشنی میں اسکی نگاہوں میں کیچڑ میں پڑی کوئی چیز آئی۔اس نے وہ اٹھائی۔اور پینٹ کی جیب میں اڑس لی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"رازی۔۔۔"یکدم خیال آیا۔اسے رازی کی فکر ستانے لگی۔وہ واپس پلٹا۔

تیز رفتاری سے دکان میں پہنچا تو اندر کا منظر دیکھ کر گویا دکان کی چھت اسکے سر پر آن گری۔وہ اپنی جگہ تھم گیا۔زمین خون سے رنگی تھی۔کرسیاں خالی تھیں۔

رازی نامی وجود وہاں نہیں تھا۔وہ شل قدموں سے آگے بڑھا۔زمین پر پڑی ہوئی رسی کے پاس سے اسٹکی نوٹ اٹھایا۔کیچڑ لگے ہاتھوں سے وہ اسکی تہیں کھول رہا تھا۔اسٹکی نوٹ اسکے گیلے ہاتھوں کی وجہ سے ایک جگہ سے پھٹ گیا۔

"تمہاری پستول خالی تھی....اور تمہارے ارادے بھی۔"سیاہ سیاہی سے لکھی تحریر۔

www.novelsclubb.com

اور پھٹے ہوئے کنارے پر اس شخص کا نام لکھا تھا۔

نیا آغاز، نیا غم، نئ خوشیاں، نئ فتوحات، نئ شکستیں، نئ اُمنگیں۔

سب ایک نئے دن کے ساتھ انسان کی زندگی میں آتے ہیں۔ کس کے حصے میں کیا؟

کسے معلوم؟

کسے خبر؟

کون جانے؟

مصنوئی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ دیوار گیر کھڑکی سے سورج کی چندھیا دینے والی کرنیں کمرے میں اجالا کر رہیں تھیں۔ بھلا رب کی روشنی پر کوئی شے سبقت لے سکتی ہے؟

ساون کی جھڑی کے بعد، دھوپ کے زیرِ اثر جو حبس ہوتی ہے اس کمرے میں بھی وہی محسوس ہوتی تھی۔ اے سی آن تھا مگر پھر بھی۔ خدا کی قدرت، خدا کی سبقت۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

صبح پروان چڑھنے پر کوئی روزی کمانے نکل جاتا ہے، کوئی ہارا ہوا جیتنے کا عزم کرلیتا ہے اور کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کے دلوں سے ویرانی ختم نہیں ہوتی۔

اپنے کمرے میں میز کے سامنے کرسی رکھے وہ ای میل باکس کھولے لیپ ٹاپ پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔اسکے چہرے پر کیا تھا؟

سکونت یا ناگواری؟

پُراسرار عزم، یارک جانے کی خواہش؟

اسکی انگلیاں متحرک تھیں۔تہ بہ تہ لگی کتابیں اسکے سامنے تھیں۔وہ کتابوں کا دیوانہ انہیں نہیں دیکھ رہا تھا۔ہنوز انگلیاں چلاتے وہ کسی خیال کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔خیالی پلاؤ اپنے جوبن پر تھا۔

آہ۔۔۔اسکی خوشبو۔

وہ جو منہمک سا اپنے کام میں مگن تھا اسکی توجہ مبذول کرانے والا سر پر کھڑا تھا۔

"بیٹا ناشتہ کمرے میں کریں گے ؟۔" آواز کانوں سے ٹکرائی تو رستم نے سر اٹھائے انہیں دیکھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ادب کے قرینے یو نو۔

اسکے لبوں پر تبسم ابھرا۔ بھوری آنکھیں بھی چمکیں۔

"خان بابا بیٹھیں ناں۔" چاشنی سا میٹھا لہجہ۔

خان بابا مسکرا کر نفی میں سر ہلا گئے۔ پھر وہ سائیڈ ٹیبل کی جانب بڑھے۔ وہاں پڑے برتن اٹھائے۔ وہ اب ٹرے اٹھائے رستم کی پشت دیکھ رہے تھے۔

"ادھر لا دوں کیا۔؟" مدھم سی آواز۔ رستم نے رخ پلٹا۔ انکی آنکھوں میں جھانکا۔ ضعیف آدمی کی آنکھوں کے گرد جھریوں نے احاطہ کیا ہوا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

وہ نفی میں سر ہلا گیا۔خان بابا مسکرائے۔نا معلوم سی مسکراہٹ۔آنکھوں میں الوہی سی چمک ابھری۔رستم نے تعجب سے انہیں دیکھا۔وہ اسکی جانب بڑھے۔سر پر ہاتھ رکھا عقیدت سی عقیدت تھی۔اپنائیت سی اپنائیت تھی۔اس لمس پر رستم نے آنکھیں بند کر لیں۔سکونت ہی سکونت تھی۔

"خوش رہا کرو۔"تنقید تھی ؟نصیحت تھی یا اصلاح کیا تھا؟رستم نے سر ہلا دیا۔

وہ مسکرائے اور قدم دروازے کی جانب بڑھا دیے۔رستم کے کانوں میں لفظوں کی بازگشت (خوش رہا کرو) نے اسے سرشار کر دیا اور غمگیں بھی۔

کیا جس کو ہر طرف سے رسوائی ملے وہ خوش رہے ؟

کیا خوش رہنا اتنا آسان ہے۔؟اس نے سوچا۔

"ہاں بہت آسان ہے۔"خود کو جواب دیا۔

اسکے ماتھے پر شکنوں کا جال بچھ گیا۔ وہ اس کمرے کا حصہ نہیں تھا۔ اس روشنی کا بھی نہیں۔ وہ جہاں تھا ادھر سیاہی تھی۔ اندھیرا ہی اندھیرا۔

"یہ زندگی ہے اس میں کچھ چھن جاتا ہے تو نوازش بھی ہوتی ہے۔" عطا" اس زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ ہم انسان جو کھو جائے اسکے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اسکا ماتم مناتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہمیں کسی کی طلب ہے شاید کوئی ہمارا طلبگار ہو۔ انسان یہی کرتا ہے اسکی خواہش ادھوری رہ جائے تو خود کو ہر زات سے اس قدر لا تعلق کر لیتا ہے کہ خود کو کسی طلبگار کے حصے میں نہیں آنے دیتا۔ خود کی خواہش ادھوری تو دوسرے کی بھی ادھوری۔ یونہی ہر شخص ادھورا، ہر زات ادھوری، ہر محبت ادھوری۔

قصوروار کون؟ بشریا محبت؟

محبت۔" اب کی بار سرگوشی دماغ نے نہیں دل نے کی تھی۔"

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"محبت کی باتیں دماغ کی سمجھ میں نہیں آتیں۔انکو سمجھنے کی صلاحیت "قلب" رکھتا ہے۔"

وہ اپنے تخیل میں تھا۔سوالی جوابی کارروائی اور خود کو نصیحتوں کا عمل جاری تھا۔

"محبت میں انسان بے بس ہو جاتا ہے۔" اس نے خود کی بے بسی کا اقرار کیا۔

کوئی کرتا ہے بھلا؟ حیراں کیوں ہو؟

محب کرتے ہیں۔محبت کرواتی ہے۔

اسکی بھوری آنکھوں میں غم کی سرخی تھی۔اس نے کیا کھویا تھا۔محبت؟

بے آواز سرگوشیاں پھر سے گونجنے لگیں۔

"محبت کھونے کا غم جب انسان پر حاوی ہوتا ہے ناں تو درد دل میں نہیں روح میں ہوتا۔روح گھائل ہوتی ہے۔تب بشر خود کو محدود کر لیتا ہے۔خود تک۔ اپنے غم تک۔"

اسکا سانس پھول رہا تھا۔یوں جیسے کچھ پیچھے چھوٹ گیا ہو۔وجود کا حصہ۔ قلب کا ٹکڑا۔

وہ جھک کر کرسی کے بازو پر دونوں ہاتھ رکھ گیا۔مضبوطی سے۔سانسوں کا زیروبم جاری تھا۔پیشانی پر قطرے ابھرے۔

"کیا زخمی روح والا کسی کی زندگی کا حصہ بن سکتا ہے۔؟"ایک اور سوال۔ سانس لینا محال ہوا۔وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔پشت کرسی سے لگالی۔سر پیچھے کو گرا کر آنکھیں بند کر لیں۔اندھیرا تھا مگر خوفناک نہیں تھا۔آنکھوں کے پردے پر کوئی چہرہ رونما ہوا تھا۔مسکراتا چہرہ۔وہ بھی مسکرایا۔

دلِ شکستہ،مت کر ماتم

خوش ہو، سُن جھوم جھوم

اے بشرِ ناداں سمجھ، جو نہیں ملا، تیرا نہیں تھا

یاد کر وہ لمحہِ جدائی، کیا دل تھما نہیں تھا؟

وہ بچھڑ گیا، سب بکھر گیا

بکھر کر بھی کیا تو سنبھلا نہیں تھا؟

زندگانی کی اک کہانی، جسکو چاہا کھو دیا

کھو کر بھی کوئی پاس ہو تو سُن دیوانے، سنکی، پاگل

وہ تیرا تھا وہ تیرا ہے وہ تو کبھی بچھڑا نہیں تھا۔

دلِ شکستہ مت کر ماتم، خوش ہو سُن جھوم جھوم

اس نے آنکھیں کھول لیں۔ آنکھوں میں غم تھا سکون بھی۔

اطمینان سا۔ یقین سا۔

"میں اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔"اس کے لبوں نے حرکت کی۔آواز کانوں تک پہنچی اور دل تک بھی۔دل کو یاد دہانی دی۔دماغ کی پرواہ کسے ؟۔

کہا تھا ناں۔**محبت کی باتیں دماغ کی سمجھ میں نہیں آتیں۔**

وہ سیدھا ہوا۔سرد لمبی آہ بھری۔

نظریں لیپ ٹاپ پر تھیں۔کچھ کھو جائے تو عطا بھی تو ہوتی ہے۔اسے عطا یاد آگئی۔وہ بھولتی ہی کب ہے ؟۔

اسکی انگلیاں کچھ ٹائپ کر رہیں تھیں۔

وہ پھر سے کرسی سے پشت لگا گیا۔منتظر نگاہیں لیپ ٹاپ کے چوکھٹے پر تھیں۔

چند پل اور سکرین پر ایک چہرہ نظر آنے لگا۔اپنا سا۔شناسا سا۔

خاموشی۔۔۔

مسلسل خاموشی۔

دونوں وجود ایک سکرین کا حصہ ہو کر بھی خاموش تھے۔رستم کی آنکھوں میں کرب امنڈ آیا۔اور بے اختیار نمی بھی۔کتنی عزیم نعمت ہوتے ہیں مخلص دوست کہ غم میں انکا ہی خیال آتا ہے۔

"کیسے ہو؟۔"اس نے خود کو کہتے سنا۔

خاموشی.....

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔"آواز بلند تھی۔انداز تحکمانہ۔

خاموشی.....

وہ جھنجھلایا۔"کچھ بولتے بھی ہو یا نہیں؟۔"اکتایا سا بولا۔

مقابل کی پلکوں میں جنبش ہوئی۔

"نہیں۔گونگا ہوں۔"خفگی کا مظاہرہ۔

رستم نے ہنسی دبانے کی کوشش کی۔وہ کامیاب رہا۔اس کی نظر سامنے کے منظر پر تھی۔ سکرین میں وہ اپنے کمرے میں تھا۔بیڈ کی پائنتی پر بیٹھا تھا۔بیڈ کراؤن اور عقبی دیوار ہی دکھائی پڑتی تھی۔

رستم نے لفظ مجتمع کیے۔مشکل سی تھی۔

"امن کیسی ہے؟۔"لب ہلے۔

"میرا حال پوچھو پہلے۔"جواب توقع کے برعکس تھا۔احسن اور اسکی پوزیسو نیس۔

"پوچھا تو تھا۔"رستم سیدھا ہوا۔موڈ خوشگوار ہو رہا تھا۔

"پھر سے پوچھو۔"حکم پر حکم۔

رستم نے شکستہ سی آہ بھری۔ "کیسے ہو۔؟"سرسری سا انداز۔

مسکرا کر پوچھو۔"احسن میری جان کیسے ہو۔؟"رستم مسکرایا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"احسن میری جان کیسے ہو؟۔" ہو بہو نقل اتاری۔احسن کے چہرے پر خوشگواریت تھی۔فاتحانہ مسکراہٹ۔اس نے دونوں ہاتھوں کی چار چار انگلیوں کی پشت کو تھوڑی پر ٹکایا۔یوں ہی جیسے آجکل کی لڑکیاں سیلفیاں لیتی ہیں۔

"پیارا ہوں۔" ہاتھوں کی انگلیوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"کافی خوش فہم ہیں آپ صاحب۔" طنز کا تیر جیسے نشانے پر لگا۔

احسن کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"تم بدل گئے ہو۔" شکوے تو اسکے اوپر ہی دھرے ہوتے تھے۔

"میں نے کوئی Facial Treatment نہیں کروایا۔" وہ پُر سکون انداز میں کہہ گیا۔احسن کی سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی۔اس نے سرد آہ بھری۔

"وہ ٹھیک ہے۔" اب وہ لائن پر آیا تھا۔

"پکا ٹھیک ہے۔؟" انداز تفتیشی تھا۔

"کچا پکا کیا ہوتا ہے۔ اچھی ہے۔" وہ بے زار سا بولا۔ اسے رستم کو اسکے رونے کا بول کر پریشان نہیں کرنا تھا۔

رستم آگے کو ہوا سکرین پر کونے میں اسکی چھوٹی سی تصویر پر اب بس اسکے چمکتا چہرہ تھا۔ آنکھوں میں کچھ پنہاں تھا۔

"کیا اس نے تمہیں تھپڑ مارا ہے؟"

احسن کو اچھو کا لگا۔ منہ کا زاویہ بگڑا۔

"کیوں میں نے اسکی بہن کو چھیڑا ہے؟۔" ناگواری سے تصدیق چاہی۔

رستم مسکرایا۔ "مطلب کے تم ٹھیک ہو۔ میں خواہ مخواہ سوچ رہا تھا کہ تم پریشان سے لگتے ہو۔"

احسن نے ناک بھوں چڑھایا۔

"میں پریشان ہوں دل پر چوٹ لگی ہے۔" غم کی داستاں رستم کے سامنے کھلنے لگی تھی۔

"مطلب سچ میں تھپڑ پڑا ہے؟۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

"ہاں بے وفائی کا۔" جھٹ سے جواب آیا۔

رستم حیراں ہوا۔

"ہیں۔؟؟" وہ بے اختیار بولا۔

تم کنگھال ہو گئے تھے تو مجھے بتادیتے۔ شیرازی فیشن انڈسٹری کا اکلوتا وارث ہوں۔ تمہاری مدد تو کر ہی دیتا۔'' رستم کی حیرانی ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔

"یہ کہہ کون رہا ہے؟۔"

حیرانی ختم نہیں ہوئی تھی۔ مگر کم ہو گئی تھی۔ کہ بات کوئی فضول ہی ہو گی۔

"شیرازی فیشن انڈسٹری کا اکلوتا وارث۔"

رستم نے سر کو اوپر نیچے حرکت دی۔لب "اوہ" میں سکڑے۔

"بے وفائی کس نے کی؟۔"دلجوئی بھی تو کرنی تھی ناں اسکے دوست پریشان تھا۔

"تم نے۔"فوراً سے پیشتر جواب آیا۔

"میں نے کیا کیا۔"

"بے وفائی۔"یک لفظی جواب۔

"کونسی بے وفائی۔؟"

"میرا حق چھینا ہے تم نے۔"رستم کے اندر کچھ چھنا کے سے ٹوٹا۔دل خدشات کی زد میں تھا۔کچھ تھا جو اوجھل تھا نگاہوں سے۔پرے تھا سمجھ سے۔کیا حقیقت عیاں ہو گئی تھی؟کیا ماضی کا کوئی پنّہ پڑھ لیا گیا تھا؟نہیں۔اوہ خدایا۔اسکی زبان گنگ ہو گئی۔

"کونسا حق۔؟" وہ بمشکل بولا۔

دل میں چور ہو تو زبان زنجیروں سے بندھ جاتی ہے۔

"میری ٹریٹ۔" رستم کا سانس بحال ہوا۔اس نے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔

"کیا طیارہ ہاؤس بھاگ جانا تھا۔؟ یا مس طیاری کا دل اداس ہو گیا تھا۔یوں بھاگے بھاگے گئے ہو جیسے بریانی کی دیگ کھل گئی ہو۔"

رستم خود کو ایک حد تک سنبھال چکا تھا۔

انسان کے اندر دفن راز کھلنے کے خدشے سے زیادہ وحشت ناک کچھ نہیں ہوتا۔

"میں وہ کام سے آیا تھا۔"

"کیا کام تھا۔؟"

"پیسے ختم ہو گئے تھے۔سوچا کسی دوست سے ادھار پکڑ لوں۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اسکے جواب پر احسن دانت پیس کر رہ گیا۔

"کیوں؟اپنے پیسے خیرات میں دے دیے ہیں۔"

"ہاں تھا کوئی شیرازی فیشن انڈسٹری کا اکلوتا وارث۔"

"رستم...."وہ بر وقت بولا۔

رستم کے رویے نے اسے سلگتے توے پر بٹھا دیا تھا۔

رستم کھلکھلا کر ہنسا۔وہ ہنستا تھا تو یوں جیسے پھول کھلتے تھے۔احسن نے سوچا۔

اسکی تمسخرانہ ہنسی بھی اسے بری نا لگی۔

"تم کیسے ہو۔؟"لفظ سماعت سے ٹکرائے ہی تھے کہ رستم کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

آنکھوں میں گزری شب کا درد لہرانے لگا۔اس نے بولنے کی سعی کی مگر

"کیسے ہو؟۔"

"ٹھیک ہوں بھئی۔" غم چھپانے کا تصنّع۔

اسے لگتا تھا اسے تصنّع نہیں آتا۔

"یوں کیوں لگتا ہے جیسے وار ہوا ہے تم پے۔"

احسن نے کریدا۔ وہ اسکی آنکھوں میں غم کی داستاں پڑھ سکتا تھا۔ رستم خاموش تھا۔

"زخمی سے کیوں لگتے ہو۔" احسن سنجیدہ ہوا۔

"نہیں تو۔" رستم نے نفی کی۔

"مجھے نہیں بتاؤ گے۔" وہ پھر سے متسفسر ہوا۔

"تم نہیں سمجھو گے۔" کھوکھلی سی وضاحت۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"میں نادان صحیح۔ مگر احسن شیرازی رستم طیار کی کہانی کو سمجھتا ہے۔اسکے غم،اسکی خوشیاں سب صرف رستم کا نہیں ہے احسن کا بھی ہے۔"احسن کے لفظوں سے رستم ٹھٹھکا۔

گرم ماحول میں بھی ایک سرسراتی ہوا کا جھونکا تھا جو جسم سے ٹکرایا۔رستم سحر زدہ ہوا تو لب حرکت کرنے لگے۔

"لہجوں کے وار بہت رحم ہوتے ہیں احسن۔یہ سیدھا دل پر چوٹ کرتے ہیں اور ایسے ایسے زخم دے جاتے ہیں کہ سال ہا سال ان زخموں سے خون رستا رہتا ہے۔"

احسن نے اسے دیکھا تو دل میں درد سا اٹھا۔

"رستم۔"

اس نے پکارا۔رستم اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

وہ جو ٹوٹ گیا تھا اب بکھر رہا تھا۔

خود کو سمیٹنے کی غرض سے اس نے لیپ ٹاپ سکرین کو نیچے گرا دیا۔

احسن کی آواز کہیں گم ہو گئی۔

اس وقت وہ ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھا۔ سوٹڈ بوٹڈ رستم طیار اس وقت بیریڈ پر جیم لگا رہا تھا۔ نوالے نگلتی ہوئیں کلثوم بیگم وقتاً فوقتاً اس پر ایک نگاہ دوڑا لیتیں۔ عشال کی نظریں بھی ان کے تعاقب میں تھیں۔ ملازم سر پر کھڑے تھے آیا کہ کوئی چیز کی ضرورت ہو تو وہ پیشِ نظر کریں گے۔

"آ گئے تم؟۔" خاموشی میں گونجنے والی آواز اسکی ماں کی تھی۔ رستم بریڈ پر چھری رگڑتا رہا۔

"کب آئے تھے۔؟" وہ اسے مقابل دیکھ کر سوال بدل گئیں۔ ظاہر سی بات تھی وہ مقابل تھا "آیا" ہوا تھا۔ تو تھا ناں۔

رستم نے لمبی سانس اندر کھینچی۔ لمحے بھر کے توقف کے بعد اسکے لب ہلے۔

"کل صبح آیا تھا۔"

"کل صبح کتنے بجے۔؟"انکا انداز تفتیشی تھا۔ بریڈ کھاتے ہوئے رستم نے نگاہیں ان پر جمائیں۔ ذہن پر چند عکس ابھرے، تو کانوں میں کچھ کڑوے لفظ گھل گئے۔

"جب آپ لوگ میری بدخوئیاں کر رہے تھے۔"وہ محض سوچ ہی سکا۔

"پونے نو کی فلائیٹ سے۔"اس سوال کی بھی وضاحت دے دی۔

"رات میں کونسے ہوٹل ٹھہرے تھے؟"رستم لب بھینچ کر رہ گیا۔ ناگواری چہرے پر عیاں ہونے لگی۔

"شیرازی ہاؤس میں ٹھہرا تھا۔"وہ اطمینان سے بولا۔ کلثوم بیگم شاک اور صدمے کی زد میں آگئیں۔

"کیا؟" بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ رستم نے محض سر کو اثبات میں ہلا دیا۔ انہیں خاصی بدمزگی ہوئی۔ اور غصہ بڑھ گیا۔

"اتنی بڑی بات اور انکے علم میں ہی نہیں تھی۔" سخت گھوری سے رستم کو دیکھا۔ وہ لاتعلق اور بے پرواہ سا ناشتہ کرنے میں مگن تھا۔ کلثوم بیگم کے لیے کھانا اب بہت مشکل تھا۔ وہ کسی اور چیز سے پیٹ بھرنے کے حق میں تھیں۔

"دیکھ لیا۔" عشال نے سر اٹھایا وہ ماں کی جانب متوجہ ہوئی۔ "پر لگ گئے ہیں جناب کو۔" عشال نے رستم کی جانب دیکھا آج اسکے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ کوئی غم، ازیت، پریشانی۔ کچھ بھی نہیں۔

"ماں کے مائیکے سے ہو آئے ہو پڑ گئی کلیجے کو ٹھنڈک۔" طنز کے نشتر۔ وہ اپنی بھوک مٹا رہیں تھیں۔

"پڑ گئی۔" وہ بظاہر خاموش تھا۔

کلثوم بیگم اس کی خاموشی سے خاصی شرمندہ ہوئیں۔

وہ پھر بھی بول رہیں تھیں۔"ماں کے گھر سے ہو آیا ہے نا جانے کیا رسوائی کا سامان لایا ہو گا۔" رستم نے ایک سرد سی نگاہ ان پر ڈالی۔انہوں نے اسے ملازموں کو منظر سے ہٹنے کا حکم دیتے ہوئے دیکھا۔رستم آگے کو جھکا۔آنکھیں انکی آنکھوں میں تھی۔کلثوم بیگم کے حلق میں گلٹی ابھری۔اسکی سرد نگاہوں کی سفاکیت سے وہ خوف میں مبتلا ہوئیں۔

"ممی کے بارے میں ایک اور بات میں برداشت نہیں کروں گا۔" وہ سفاکیت سے بولا۔انداز تنبیہی تھا۔

عشال نے لبوں پر امنڈتی مسکراہٹ پر بمشکل بندھ باندھا۔کلثوم بیگم کے تو سر پر لگی اور تلوؤں پر بجھی۔اتنی بے عزتی۔وہ پھر سے کھانے میں مصروف تھا۔ اسے شاید آج زیادہ ہی بھوک لگی تھی۔

"رہ آئے ایک دن انکی صحبت میں۔انہی کی زبان بولنے لگ گئے۔میں ناں کہتی تھی اسکی ماں کا خاندان اور اسکی ماں۔۔۔۔"

میز پر چمچ پٹخنے کی آواز پر انکی بات ادھوری رہ گئی۔وہ رستم کو کرسی دھکیلتے اٹھ کر کھڑے ہوتے دیکھ سکتیں تھیں۔

"پھر بتا رہا ہوں (وہ دونوں ہاتھوں کو میز پر رکھے انکی جانب جھکا۔)

"میری ممی کے بارے میں ایک اور لفظ نہیں۔نہ اچھا نہ برا۔نہ طعنہ نہ تنقید۔"کلثوم بیگم متوحش سی اسے تک رہیں تھیں۔وہ اتنا خوفناک پہلے سے تھا یا آج لگ رہا تھا۔

"میں برداشت نہیں کروں گا۔"اس نے دوبارہ سمجھایا۔رستم کی آنکھیں سرخ تھیں۔کلثوم بیگم نے تھوک نگل کر حلق تر کیا۔

یہ طعنے بازیاں نئی نہیں تھیں۔ مگر ان کے سامنے کھڑا رستم طیار نیا تھا۔اور غیرت مند بھی۔

اس سارے منظر کو عشال نے کسی ہالی ووڈ مووی کی طرح انجوئے کیا تھا۔

رستم نے اپنے ہاتھ پونچھے۔ وہ اب رخ پلٹ گیا۔

"کدھر جا رہے ہو؟" ان کے سوال پر رکا۔ مگر پلٹا نہیں۔

"میری کچھ زمہ داریاں بھی ہیں۔"

وہ ہنوز اسکی پشت دیکھ رہیں تھیں۔ "تم آفس نہیں جاؤ گے۔"۔ تحکمانہ سا رویہ۔

رستم پلٹا۔ اسکے ماتھے پر شکنیں تھیں۔

"کیوں۔؟؟"

"ہاں جی، جی ماں، جو آپ بولیں۔" ان جوابات کی بجائے آج سوال ہوا تھا۔

وہ لفظ مجتمع کرنے لگیں۔

"احتشام خان لوٹ آیا ہے۔" گردن تان کر وہ مان سے باور کرا رہیں تھیں۔

"تو۔؟" وہ چند قدم انکی جانب اٹھانے لگا۔

"خان ٹیکسٹائل کی زمہ داری تمہارے بس کی نہیں ہے۔میں نہیں چاہتی کہ طیار خان کی بنائی ہوئی عمارتیں۔۔۔۔"

رستم نے انکی بات کاٹی۔"طیار خان کی عمارتیں محفوظ ہیں اور رہیں گی۔"

"محافظ کون ہے۔؟"

"طیار خان کا بیٹا۔رستم طیار خان۔" وہ بلاتاخیر بولا۔

"محافظ اور تم؟؟میرا بیٹا۔۔۔۔"

"آپکے بیٹے کو موقع دیا غلط کیا۔آپ کی بات کا مان رکھا غلط کیا۔" انکی بات کو ٹوک کر وہ درشتی سے بولا۔

"میرا بیٹا اس کام سے واقف ہے۔" ان کا رویہ بدل گیا تھا۔ حکم نہیں تو ایموشنل کارڈ صحیح۔

"میں بھی ہو جاؤں گا۔" کھٹر کھڑا کر کہتا وہ رکا نہیں تھا۔

کلثوم بیگم بس عجلت سے اوجھل ہوتے رستم کو دیکھتی ہی رہ گئیں۔

دن کے اس پہر بارش کے پانی نے جہاں کراچی کی سڑکوں، عمارتوں اور باغیچوں کو بھگویا ہوا تھا۔ وہیں ایک عمارت جسے **شیرازی ہاؤس** کہتے ہیں وہ بھی پانی کے حصار میں تھی۔ بوچھاڑ کی مانند قطرے اس بلند و بالا، آسمان کو چھوتی عمارت سے ٹکرا رہے تھے۔ بارش میں بھیگ کر شیرازی ہاؤس کے اندر آؤ تو سکوت تھا۔ بس بارش کی چھم چھم کی آواز تھی۔

"ماں....؟" پر سکوت ماحول میں آواز گونجی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

نارنجی لباس پہنے امن شیرازی کندھے پر جھولتا جامنی ڈوپٹہ اوڑھے دالان میں کھڑی تھی۔ نگاہیں ماں کی متلاشی تھیں۔

وہ پلٹی۔ عقب میں بنا کچن اب اسکے مقابل تھا۔ وہ کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"ماں کدھر ہیں آپ۔؟" دروازے پر پہنچ کر ہانک لگائی۔

"آجاؤ یہیں ہوں۔" الفاظ سنتے ہی وہ کچن میں داخل ہوئی۔ ماں کا رخ دوسری جانب تھا۔ ڈوپٹہ سر پر تھا۔ سفید رنگی لباس میں ملبوس عمر رسیدہ عورت۔

"کب سے ڈھونڈ رہی ہوں۔" وہ چند قدم چلتے ہوئے ان کے برابر آن کھڑی ہوئی۔

www.novelsclubb.com

"کیوں میں کھو گئی تھی کیا۔" عزرا بی نے اس کی جانب دیکھا۔ ان کی رنگت گوری تھی۔ نین نقش دلکش۔ جھریوں والے چہرے اور ڈوپٹے سے نظر آتے بالوں میں سفیدی تھی۔

"اللہ نا کرے۔" وہ فی الفور بولی۔

"کیا نا کرے۔؟" وہ سوال کر بیٹھیں۔

شیلف کے پاس کھڑی امن نے انکے گلے میں باہیں ڈال لیں۔

" کبھی کسی ماں نا کھوئے۔" اسکی آنکھوں میں امید تھی۔اور خدا سے درخواست بھی۔عزرابی نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"ماں کیا بنا رہی ہیں۔" وہ اشتیاق سے چولہے پر رکھی کڑاہی پر جھکی۔ڈھکن ہٹایا۔

ایک لمبی سانس کھینچی۔

" بریانی۔" سر ہلاتے ہوئے کہتی ہوئی وہ بچی معلوم ہو رہی تھی۔

"ضرور اس بھوکھڑ کے لے بنائی ہو گی۔" منہ بسور کر کہتے ہوئے وہ ماں کو بہت بھائی۔ماں مسکرائیں۔ان کے سامنے کے دو دانت تھے۔مگر اس کے ساتھ

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

دونوں طرف خلا تھا۔ ہنستے ہوئے گال پھولے ہوئے تھے۔ بلاشبہ وہ جوانی میں بہت حسین ہوں گی۔

حسن کی مدت بہت کم ہوتی ہے۔

"اسی کے لیے بنائی ہے ناں۔؟" ماں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کہہ رہا تھا بڑی ماں آپکے ہاتھ کی کھانی ہے۔" وہ بہت خوشی سے کہہ رہی تھیں۔

وہ خوشی ماؤں سے پوچھنا جب بچے ان کے بڑھاپے میں بھی ان کے ہاتھ کے بنے پکوان کھانے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ انکی آنکھوں میں بھی الوہی سی چمک تھی۔

"ہر بار ہی کہتا ہے کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"کیا ہو گیا ہے کیوں چڑتی ہو۔" وہ اب کڑاہی میں پکتے گوشت کے سالن میں چمچ چلارہی تھیں۔ خوشبو نتھنوں سے ہوتی دل سے ٹکرا رہی تھی۔

"میرے لیے کیا بنایا ہے۔؟"

"آج دوپہر کے کھانے کا مینیو احسن نے دیا تھا باورچی کو وہ ہی بنا گیا۔ دیکھ لو کیا کیا ہے۔" انہوں نے گوشت کو پھر سے ڈھک دیا۔

امن سامنے بنی شیلف کی جانب بڑھی۔ باری باری سب ڈھکے ہوئے برتن اٹھاتی گئی۔

کڑاہی، بھنا ہوا گوشت، چائینیز چاول، اور میٹھے میں کھیر۔

مینیو اچھا تھا۔ وہ سرشار ہوئی۔

مگر ماں کی بریانی۔ اس نے طلبگار نگاہوں سے انہیں دیکھا وہ چاولوں کا پانی اتار رہیں تھیں۔ سنک میں بہتے پانی کو وہ دیکھے گئی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"ماں۔۔؟"

"ہونہہ۔"کام میں مگن عزرابی نے محض ہنکارا بھرا۔

"میرے لیے ایک پلیٹ نکال دیں گی۔" مدھم سی سرگوشی کرتے وہ رازداری سے کہہ رہی تھی۔

ماں مسکرائیں۔"کیوں۔؟"

"میرے لیے میں آپکی بیٹی ہوں ناں۔" وہ اب رشتے کے واسطے پر اتر آئی تھی۔

سرمئی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"احسن سے لے لینا وہ دے دے گا۔ میرا بیٹا کنجوس تو نہیں ہے۔"

ان کے جواب پر امن کے ماتھے پر تیوری چڑھی۔

ہ خاصہ بدمزہ ہوئی تھی۔ کیا تھا جو ماں ایک پلیٹ بریانی نکال دیتیں اسکے لیے۔

"پلیز ناں۔" وہ اب التجا کررہی تھی۔ بارش کی آواز بلند ہوئی تھی۔

"اس سے لے لینا۔" وہ اپنی بات پر قائم تھیں۔

امن نے خفگی سے ماں کو دیکھا۔اب وہ احسن سے مانگے گی بھلا؟ ابھی کل تو اس سے لڑائی کی تھی۔ وہ جو پیر پٹخ کر رخ پلٹ رہی تھی۔

ماں کی آواز پر رک گئی۔"امن۔" وہ خوش تھی کہ کام بن گیا۔

"وہ دے دے گاناں۔" ماں کہہ رہیں تھیں۔

"ہاں ہاں وہ کنجوس تھوڑی ہے۔" وہ جو اس آس سے رکی تھی کہ کام بن جائے گا سلگ کر عزرابی کا اگلا جملہ دہرا گئی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"کیوں کہ وہ تو ایک نمبر کا چول ہے۔" وہ تپ کر بولی تھی۔اب کی بار ماں نے اسے دیکھا تو آنکھوں میں ناراضی تھی۔

"مت جلا کرو اس سے۔" انہوں نے سمجھانا چاہا۔

"جلتی ہے میری جوتی۔" وہ ایک ادا سے بولی۔

"رستم چلا گیا ہے ورنہ وہ بھی کھاتا۔اسے بھی بہت پسند ہوا کرتی تھی بچپن میں۔" وہ اب چاول اور سالن کی تہیں لگا رہیں تھیں۔انکی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی اور لبوں پر شکوے کے ساتھ ساتھ ایک دبی سی آس تھی۔

"کاش کہ وہ یہاں ہوتے۔" امن کے دل نے سسک کر کہا تھا۔وہ پل بھر میں حیراں ہوئی۔آپکو کیسے پتا رستم آئے تھے۔؟ بے اختیار سوال داغا۔

"مجھ سے ملا تھا ناں۔" وہ اب اپنے کام سے فارغ ہو کر تسلی سے اسکی جانب متوجہ تھیں۔

"صبح میں تو چلے گئے تھے آپ سے کب ملے ؟۔" اسکی حیرت حد سے سوا تھی۔آنکھوں میں حزن کی سرخ لکیریں بننے لگیں۔

"رات میں آیا تھا میرے کمرے میں۔" وہ کسی نقطے پر غور کرنے لگیں۔

(رات کی سیاہی میں، جب چاند کی چاندنی جوبن پر تھی۔

عزرابی کی آنکھ کھلی تو کھڑکی کے سامنے کسی وجود کا سیاہ سایہ دکھائی دیتا تھا۔وہ دراز قد شخص کی پشت دیکھ کر گھبرا کر اٹھیں۔

"کون۔۔۔" نیند میں ڈوبی ہوئی آواز۔وہ شخص پلٹا۔عزرابی کے اوسان خطا ہوئے۔

وہ اپنے بستر سے اٹھیں۔

"میں ہوں ممانی جاناں۔" بھاری مردانہ آواز کانوں سے ٹکرائی۔

پہلے پہل تو وہ نا سمجھی سے دیکھتی رہیں۔پھر "ممانی جاناں" لفظ کی بازگشت نے ان کے ذہن کو روشنائی دی۔

"رستم۔۔۔؟؟"انہوں نے بے یقینی سے استفسار کیا۔

مقابل کے نظر آئے عکس میں سر کو جنبش ہوئی۔

وہ سبک روی سے اس عکس کی جانب بڑھیں۔

رستم نے بھی چند قدم انکی جانب لیے۔انہوں نے رستم کے کندھوں کو تھامتے اسکا رخ چاند کی جانب کیا۔چاند کی روشنی اب براہِ راست اس کے چہرے پر پڑتی تھی۔وہی نقوش، گوری رنگت، بھوری آنکھیں،اٹھی ہوئی ناک۔وہ مسکرائیں۔

پھر بے اختیار اسے سینے سے لگالیا۔وہ اسکا چہرہ چوم رہیں تھیں۔

"کیسی ہیں۔؟"رستم کی آواز سنتے ہی وہ مزید بے یقینی کا شکار ہوئیں۔

"اب اچھی ہوں۔" انکی آنکھوں میں نمی تھی۔خوشی کی وہی رمق جو برسوں کے بعد کسی اپنے کے لوٹ کر آنے پر ہوتی ہے۔

"میرا بچہ کیسا ہے۔" وہ کھڑے کھڑے ہی سب پوچھ لینا چاہتی تھیں۔رستم نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اب اچھا ہوں۔"

وہ اسی انداز سے بولا۔رغبت اسکے لہجے میں بھی تھی۔آنکھیں اسکی بھی نم تھیں۔

"دل رکھنے ابھی بھی آتے ہیں تمہیں۔" وہ دونوں اب بیڈ پر بیٹھے تھے۔ رستم مسکرایا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" یقین دہانی کرانی چاہی۔ جزبات وہی تھے۔ رشتہ بھی وہی تھا۔ عقیدت ہنوز ویسی تھی۔ کچھ تھا تو برسوں کا فاصلہ تھا جو درمیان میں ٹھہر گیا تھا۔

وہ اسکی بھوری آنکھوں میں جھانک رہی تھیں۔

رستم کو حیرت ہوئی۔

"دوسروں کا دل رکھتے رکھتے خود کے دل پر ظلم مت کرنا۔" انہوں نے نصیحت کی۔ رستم کی آنکھوں میں پل بھر میں کچھ ٹوٹ کر بکھرا۔ وہ خاموش رہ گیا۔ اسکے پاس اس بات کے جواب میں کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"تھکے تھکے سے لگتے ہو۔ تھک گئے ہو کیا۔؟" رستم انکی پیشانی پر بل دیکھ سکتا تھا۔

"ہاں بہت۔" وہ مدھم سی آواز میں بولا۔وہ کراچی کے سفر کی تھکان کا پوچھ رہیں تھیں وہ زندگی کے سفر کی تھکان کا کہہ رہ تھا۔

"آرام کرلو۔"۔انکے لہجے میں ماؤں جیسی فکر تھی۔

"سلادیں۔" چار سالہ رستم نے عزرابی سے پہلی بار کہا تھا۔اٹھائیس سالہ رستم بھی کہہ رہا تھا۔وہ بدلا نہ اس کی محبت بدلی۔

انہوں نے مسکرا کر اثبات میں گردن ہلائی۔رستم نے گٹھری بن کر انکی گود میں سر رکھا۔وہ اسکے بالوں میں انگلیاں چلا رہیں تھیں۔رستم سکون کی الگ دنیا میں اتر گیا۔)

www.novelsclubb.com

عزرابی کی آنکھیں نم تھیں امن کی آنکھوں کا حال بھی وہی تھا۔

"وہ مصروف رہتا ہے اسکی ملاقاتیں اب مختصر ہو گئیں ہیں۔" انہوں نے خود دلیل دی اور تسلی بھی۔

"جاتے ہوئے نہیں ملے؟۔"

"نہیں۔ پھر اسکے لیے جانا مشکل ہو جاتا تھا۔" وہ اسکی حالت سے واقف تھیں۔ برسوں پہلے کی شناسائی اب بھی قائم تھی۔

امن کے دل میں درد سا اٹھا۔ اس نے سرد آہ بھری۔ یعنی چھوڑ کر جانا اسکے لیے سہل نہیں تھا۔ دل کو سکون ملا تھا۔ امن نے لبوں پر زبان پھیری۔ عزرابی نے اسے تکا۔ وہ کچھ بولنا چاہ رہی تھی۔

"آپکو معلوم ہے اب کب آئیں گے؟۔" یہ الفاظ بہت بھاری تھے۔

"نہیں۔" عزرابی نے کہا ہی تھا کہ امن کے دل پر دباؤ بڑھ گیا۔ بوجھ حد سے سوا ہو گیا۔ درد سہنا محال ہوا تو وہ رخ پلٹ گئی۔

عزرابی نے اسکی آنکھوں میں بے اختیار امنڈتی نمی کو بغور دیکھا۔ انکا دل بھی دکھا تھا۔

انہوں نے سوال نہیں کیا۔وہ اس کے دل کے حال سے واقف تھیں۔

"ہجر کے ڈسے ہوؤں کی آنکھوں میں سرخی کی وجہ نہیں پوچھتے۔"

وہ اپنی جگہ تھم گئیں۔اور دوسری جانب امن سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آئی۔اسکا کمرہ خوبصورت تھا۔نفیس سا فرنیچر۔دیوار گیر کھڑکی کے شیشے کے پٹوں پر موسلادھار بارش گر رہی تھی۔ہجر کے خیال سے اسکا دم گھٹنے لگا۔

اس نے پٹ کھول دیے۔بارش اسکا چہرہ بھگونے لگی۔اس جگہ سے شیرازی ہاؤس کا باغیچہ دکھتا تھا۔دھندلے نظاروں میں کاسنی کے پھولوں کو دیکھا تو وہ ہوا اور بارش کے زیرِاثر جھکے ہوئے تھے۔آج وہ بھی اسکے غم میں شریک تھے اسے جان کر اطمینان ہوا۔

کہکشاں منزل میں یہ دن خوشگوار تھا۔ہال میں پڑے صوفوں پر تین وجود بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔کے کے حسبِ عادت اپنے اسی حلیے میں تھی

۔ہاتھ میں کپ تھامے بلیک کافی کے گھونٹ بھر رہی تھی۔اسکے مقابل صوفہ پر زارا آپا اور عبداللہ تھے۔

وہ انہیں ہنستا ہوا دیکھ سکتی تھی۔عبداللہ کوئی بات کر رہا تھا۔جس پر وہ ڈوپٹہ دانتوں میں دبائے ہنس رہی تھیں۔وہ جو انہیں ہنستا ہوا دیکھ رہی تھی۔عبداللہ کی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی۔

"شادیوں کا سیزن چل رہا ہے۔"کہکشاں نے توجہ ہی نہ دی۔

"آپی۔احمد کی شادی ہے۔"احمد عبداللہ کا بچپن کا دوست تھا۔

"تو۔۔۔؟"بلیک کافی پیتے ہوئے اس نے سرسری سا کہا۔

"مجھے جانا ہے۔"

"بلکل نہیں۔"اس نے درخوست رد کردی۔کیونکہ بات دوسرے شہر جانے کی تھی۔

"پلیز چند دنوں کی تو بات ہے۔" وہ ملتجائی نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔

"چند کتنے۔؟"

"بس چار۔"

"ابھی یہ بس ہے۔؟"

آپ کسی شادی پر گئی ہوں تو معلوم ہو ناں بس ہے یا یہ بھی کم ہیں۔" اس نے اپنا پلڑا ابھاری کرنے کی سعی کی۔ کہکشاں لب کاٹ کر رہ گئی۔ کسی شادی میں تو وہ واقعی کبھی نہیں گئی تھی۔

اس نے زارا آپا کو دیکھا۔ نگاہوں نگاہوں میں سوال ہوا کہ چار دن کافی ہیں یا بس ہیں۔؟ زارا آپا کی حامی پر اس نے عبداللہ کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ خوشی سے چہک اٹھا۔ "تھینکس آپی۔"

وہ پھر سے کافی سے انصاف کرنے لگی۔ کالی اور کڑوی کافی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"آپی آپ کب شادی کر رہی ہیں۔؟" کہکشاں کو اچھوکا سا لگا۔ حیرت سے لب وا ہو گئے۔

تو کیا زارا آپا نے اسے بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ عبداللہ کی تفتیش بھری نگاہیں اس پر تھیں۔ اب وہ بھنویں اچکا رہا تھا۔

"میں کیوں کرنے لگی شادی؟۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"کیوں کہ ہر لڑکی کرتی ہے اس لیے۔" کھوکھلی سی دلیل تھی اسکی۔

کہکشاں مسکرائی۔ مزاق اڑانے والی ہنسی تھی اُسکی۔

"میں اُن لڑکیوں سے مختلف ہوں۔" وہ نہ کہہ رہی تھی۔ اسکا انداز وہی تھا۔ کم گوئی سے وہ اپنی بات کا مطلب سمجھا چکی تھی۔

"تم کیوں اتنے اتاولے ہو رہے ہو میری شادی کو لے کر۔؟" سوال زارا آپا نے کیا تھا۔

"وہ۔۔۔میں۔۔۔ مممم۔"اسکے پاس لفظوں کی کمی تھی۔

"کیا ممم مم؟؟"وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسی۔

عبداللہ نے زارا آپا کو دیکھا کم اور گھورا زیادہ تھا۔

"اب بولو کچھ۔؟"عبداللہ اسکی نگاہوں کے حصار میں تھا۔

"اس گھر کے سب سے چھوٹے فرد کا دکھ کوئی نہیں سمجھ سکتا جس کے بڑے بہن بھائی کنوارے ہوں۔"اسکی آنکھوں میں واقعی غم تھا۔

کہکشاں کو حیرت ہوئی۔

"تو اس لیے چاہتے ہو کہ میں شادی کروں تاکہ تمہاری شادی ہو جائے۔"وہ یقین دہانی کرنے کی غرض سے بولی۔

"اور نہیں تو کیا۔"

"اف خدایا...." کہکشاں کی ہنسی بے ساختہ تھی۔زارا آپا اس منظر سے لطف لے رہیں تھیں۔جب وہ شادی کا زکر کرتیں تھیں تو کہکشاں غصہ کرتی تھی۔آج وہ مسکرا رہی تھی۔ان کے زہن نے اپنے اندازے لگانے شروع کیے۔وہ اثبات میں سر ہلا رہی تھیں۔یعنی سکیم تیار کر لی تھی۔

"تمہیں کب سے شادی کا شوق چڑھ گیا برخوردار۔"

عبداللہ نے انکی جانب دیکھا۔وہ آسمانی رنگ کے لباس میں ملبوس تھیں۔ چہرے کے گرد ڈوپٹے کا ہالہ تھا۔وہ ہنسا۔کے کے کی مسکراہٹ بھی گہری ہوئی۔

"آپا...خیال اور شوق تو آپکو ہونا چاہیے گھر میں اکیس سالہ جوان مرد ہے۔ اور کسی کو کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔"وہ تن فن کرتا بولا۔

"اکیس سالہ جوان مرد۔" کہکشاں نے زیرِ لب دہرایا۔

"تم کوئی اشارہ تو دیتے پھر ہم سمجھ جاتے۔"

"اور کیا کیا اشارہ دوں؟ سو بار بولا تھا آپی کو کہ سونے کا ریٹ بڑھ رہا ہے کچھ کر لیں سنتی ہی کہاں ہیں۔؟" وہ ناراضی سے بولا۔ زارا آپا متحیر سی اب ان دونوں کی جانب دیکھ رہیں تھیں۔

"سونا مردوں پر حرام ہوتا ہے۔" وہ بلاتامل کہہ گئی۔

عبداللہ نے شاک اور صدمے کی کیفیت سے اسے دیکھا۔

"میں اپنے لیے تھوڑی ناں کہہ رہا تھا۔"

"پھر۔۔۔پھر کس کے لیے کہہ رہے تھے۔؟" کے کے کی نظریں شرارت سے بھری تھیں۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی عبداللہ نے اپنے پیروں پر کلہاڑی دے ماری تھی۔

"اپنی دلہن کے لیے کہہ رہا تھا۔" زارا آپا نے اسکے شانے سے اپنا شانہ ٹکرایا۔ عبداللہ کی رنگت میں سرخیاں گھل گئیں۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"کوئی بلش کر رہا ہے کیا۔؟" کہ کے اسکی حالت کا حظ اٹھانے لگی۔

"لگ تو رہا ہے۔" زارا آپا کی آواز سنتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔اب یہاں بیٹھنا محال تھا۔

"کنوارا رہنے دینا مجھے بس۔" سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بڑبڑا رہا تھا۔"ء گھر بیٹھے بیٹھے بوڑھا ہو جاؤں ان سے امید نہ لگاؤں۔" اسکی بڑبڑاہٹ واضح تھی۔ کہکشاں اور زارا آپا مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھتی رہ گئیں۔

لاہور میں فلک کی چادر ایک بار پھر سے بادلوں کے گھیرے میں تھی۔فلک سے نظریں ہٹا کر دھرتی کو دیکھو تو اسکی چمچماتی، بڑی سی گاڑی اس پل نیلی عمارت کے سامنے رکی تھی۔وہ اس شاہانہ گاڑی سے اترا۔چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا۔سیاہ ڈریس پینٹ، آسمانی رنگ کی شرٹ پہنے ایک بازو پر کوٹ لٹکائے

وہ گیٹ عبور کرتے اندورنی حصے میں داخل ہوا۔چوکیدار نے احترام سے سلام کرتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا۔

اسکی نظر بلندیوں کی سمت میں حرکت کرتی اس بڑی عمارت کے آخری فلور پر جم گئی۔

"خان ٹیکسٹائل "عمارت کے ماتھے پر کندہ تھا۔

وہ آنکھیں جو چند دن قبل انہیں الفاظ پر جمیں تھیں تو ان کی چمک ماند پڑ گئی تھی آج ان میں الوہی سی چمک تھی۔اسکے لبوں پر دلربا تبسم ابھرا۔اسکے قدموں میں خاص اعتماد تھا۔وہ راہداری سے ہوتا ہوا عمارت میں داخل ہوا۔عمارت میں آج معمول کے مطابق زیادہ رونق تھی۔ایک نئ توانائی تھی۔تمام ملازمین ایک نئ امید کے ساتھ مجتمع تھے۔وہ گراؤنڈ فلور پر تھا۔دیواروں پر خوش آمدید ی بینرز لگے ہوئے تھے۔ملازمین کی آنکھوں میں چمک تھی اور لب مسکرا رہے تھے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

میڈیا کے نمائندے اس پل وہاں موجود تھے۔وہ شخص جس نے کمپنی کو نقصان کی گہرائیوں سے نکالا تھا آج نئے ولولے سے ساتھ واپس آیا تھا۔

"سر آ گئے۔" چند ایک کی آوازیں سماعت سے ٹکرائیں۔

اب وہ میڈیا والوں کے گھیرے میں تھا۔کیمرے کی چمکتی روشنیوں اور رپورٹرز کی ہلچل نے ماحول کو سنجیدہ بنا دیا تھا۔

"آپ نے کس طرح کمپنی کو دوبارہ کامیابی کی راہ پر گامزن کیا؟۔" مائک اسکے چہرے کے آگے لہراتے ہوئے ایک رپورٹر نے پوچھا۔

"آپ کا فیشن شو میں جیتنے کا راز کیا تھا۔؟" دوسرا سوال۔وہ مسکرایا۔پھر مائک تھام لیا۔

مائک تھامے وہ چلنے لگا۔اور پھر اس جگہ جا کھڑا ہوا جہاں تمام ملازمین اسکے منتظر تھے۔

"یہ صرف میری محنتی ٹیم کی بدولت ہے۔ہم نے مل کر کام کیااور ثابت کیا کہ مشکل وقت میں بھی مل کر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔" اسکی ٹیم کے ہر ممبر کا سینہ فخر سے چوڑا ہو گیا تھا۔

اسکے بعد وہ رپورٹرز کو مختصر سے جواب دیتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔پیچھے پریم چند میڈیا والوں کو اسکے پیچھے جانے سے روک رہا تھا۔

وہ اپنے آفس میں داخل ہوا دیواروں پر اسکی حالیہ کامیابی کی تصاویر تھیں۔ اسکا دل خوش ہوا۔وہ جو دیواروں پر نظر ثانی کر رہا تھا کرسی پر بیٹھے وجود کو دیکھ کر تاثرات پل میں بدلے۔مقابل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ویلکم۔"

"کیا کر رہے ہو ادھر۔؟" وہ سرد لہجے میں بولا۔مٹھیاں ضبط سے بھنیچی ہوئیں تھیں۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"اپنے آفس میں لوگ کیا کرتے ہیں۔؟"سوال کے بدلے سوال نے اسکے غصے میں اضافہ کیا۔وہ آفس میں کوئی تماشہ نہیں چاہتا تھا۔

"رستم طیار خان کی کمپنی میں تمہارا آفس کدھر سے آگیا۔؟"پھر سے سوال داغا گیا۔

مقابل کا قہقہہ گونجا۔"رستم طیار خان۔"اسی کے انداز میں نام دہراتے وہ مذاق اڑا رہا تھا۔

"کون رستم طیار خان۔؟"وہ آج اپنے حقیقی روپ سے روشناس کرا رہا تھا۔ رستم کو حیرت نہیں ہوئی۔وہ تو خوش تھا کہ "تصنّع"کی ازیت کم ہوئی تھی۔

رستم میز کی جانب بڑھا۔احتشام یکدم ڈر گیا تھا۔اس نے رستم کو نمبر ڈائل کرتے ہوئے دیکھا۔

"ہاں آفس پہنچو" وہ فون پر کسی سے کہہ رہا تھا۔ "ابھی کے ابھی۔" کہتے ہوئے فون واپس کریڈل پر پٹخ دیا۔

منٹ سے پہلے آفس کا دروازہ دھکیلتے ہوئے سیاہ سوٹ میں ملبوس پریم چند اندر آیا تھا۔

"جی سر؟۔"

"رستم خان کون ہے پریم چند؟۔" وہ کاٹ دار لہجے میں کہہ رہا تھا۔ پریم۔ چند نے ایک نگاہ اسکی سرخ آنکھوں پر ڈالتے ہوئے کرسی پر مطمئن بیٹھے ہوئے احتشام کو دیکھا۔

www.novelsclubb.com

"سر آپ۔۔"

"رستم خان کون ہے بتاؤ ان کو۔" اسکی بات کاٹ کر وہ پھر سے بولا۔ باہر سے میڈیا والوں کی کھٹ پٹ ابھی بھی سنائی پڑتی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"رستم خان ازاو نراینڈ سی او آف خان ٹیکسٹائل" پریم چند نے بلند آواز میں کہا۔احتشام کی آنکھوں میں تنفر امنڈ آیا۔

"احتشام خان کون ہے پریم چند؟۔"اب وہ سوال کر رہا تھا۔پریم چند نے ان دونوں بھائیوں کو باری باری دیکھا۔وہ تو بغیر قصور کے ہی سارے معاملے میں پھنس گیا۔

"ڈونٹ نو۔"احتشام کی نگاہوں سے خوف کھائے بناوہ بے اختیار کہہ گیا۔ اس نے نرم سی نگاہ رستم پر ڈالی جس نے اسے کمپنی سے نہیں نکالا تھا۔اگر کبھی معاملہ الٹ ہوتا کہ رستم نے پیسے کھائے ہوتے اور احتشام کو معلوم پڑتا کہ پریم چند اس سب سے واقف تھا وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا یہ سوچ کر اسکی خود کی سانسیں اس پر تنگ ہونے لگیں۔

"میں تمہارا باس تھا پریم چند۔"وہ سلگ کر بولا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"یہ میرے باس ہیں سر۔" وہ اپنے ایک جملے سے اسکے چہرے پر طمانچہ مار گیا۔

رستم نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ دروزے سے باہر نکل گیا۔اب ماحول میں عجب سناٹا تھا۔

"چلے جاؤ چھوٹے۔" اب کی بار وہ نرمی سے بولا۔احتشام کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔دونوں کہنیوں کو رستم نے کندھوں پر ٹکا کر وہ سرد مہری سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"نا جاؤں تو؟۔" اسکی آنکھوں میں غصہ نہیں تھا۔حسد تھا۔حقارت تھی۔

"تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔"

"کیا کر لیں گے۔؟"

"کمپنی کے لوگ میرے ہیں۔مجھے باس سمجھتے ہیں۔" وہ ناگوری سے بولا۔

"مانتے ہوں گے...."اب کی بار رستم نے اسکی کہنیوں کو جھٹک کر اسکے شانوں پر اپنے ہاتھوں سے دباؤ بڑھایا۔"لیکن اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ کمپنی کو ہوئے نقصان کے پیچھے تم تھے۔وہ پیسہ تم کھا گئے تمہاری کیا حیثیت رہ جائے گی۔؟"اسکے لفظوں اور تصادم اسکے سفاکیت بھرے لہجے سے وہ متحیر ہوا۔

"انہیں کون بتائے گا۔؟"اسکی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"میں اور کون؟۔"رستم معصومیت سے بولا۔

احتشام کنگ رہ گیا۔اسکی زبان گویا تالو سے چپک گئی تھی۔اسکی خاموشی پر رستم کا دل جھوم اٹھا۔

"چلے جاؤ ورنہ سیکیورٹی سے دھکے کھانے پڑیں گے۔"احتشام دانت پیس کر رہ گیا۔

"یہ آپ اچھا نہیں کر رہے۔"انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

www.novelsclubb.com

"تم نے اچھا کیا تھا کیا۔؟" وہ اسکی انگلی کو نیچے کرتے ہوئے پر سکون لہجے میں بولا۔

احتشام کو اچانک سے کچھ یاد آیا تو اس نے رخ پلٹا۔ شیشے کی میز پر پڑی سیاہ تختی اٹھائی۔

" CEO IHTISHAM " سنہری رنگ سے کندہ تھا۔

"اوہ" اس کے لب گول ہوئے۔ تختی احتشام کے ہاتھوں سے تھام لی۔

''آجکل ورکرز دھیان نہیں دیتے کچرا ادھر ہی پڑا ہے۔''

وہ کراہیت سے کہہ رہا تھا۔ وہ جھکا میز کے نیچے پڑی باسکٹ میں وہ تختی پھینک دی۔

رستم مسکرایا۔احتشام کی آنکھوں میں لالی امنڈ آئی۔خان ٹیکسٹائیل کے در و دیوار اسکا حظ اٹھا رہے تھے۔اسکا بدن شعلوں کی زد میں تھا۔کوئی آگ تھی جو بھڑکنے کو تیار تھی۔

شاید انتقام کی؟

زندگی کا نظام کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔نہ آج سے قبل کوئی سمجھ پایا۔نہ آج کے بعد کوئی سمجھ پائے گا۔

کچھ فیصلے انسان کرتا ہے اور کچھ قسمت کرواتی ہے۔انسان طاقتور،اسکے ارادے پکے۔مگر قوت کے باوجود انسان کسی سے ہار جاتا ہے تو وہ قسمت سے۔

کچھ راستے انسان چنتا ہے اور کچھ پر اسے لے جایا جاتا ہے اور انسان بے اختیار ان انجانی راہوں کا مسافر بن جاتا ہے۔

ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی۔اسلام آباد کا موسم خوش گوار تھا۔ صبح کے دس بج رہے تھے۔ معمول کے مطابق اس وقت سڑک گاڑیوں سے بھری ہوئی تھی۔ سرخ بتی کے اشارے پر سب گاڑیاں غیر متحرک تھیں۔ان تمام گاڑیوں میں ایک گاڑی اسکی تھی۔سیاہ رینج روور۔وہ سائیڈ ویو مرر سے پیچھے کھڑی گاڑیوں پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ نظر اپنے برابر کھڑی گاڑی پر ٹھہری وہ جو بے دھیانی سے محض سرسری نگاہ ڈال رہا تھا اپنی جگہ تھم گیا۔وہ اسے باآسانی دیکھ سکتا تھا۔

اپنے قریب،اپنے برابر۔

اسکے بال جوڑے میں بندھے تھے۔سیاہ مفلر میں انگلیاں الجھاتی وہ پر سکون اور پر کشش دکھائی دے رہی تھی۔اسکے لب ہلے رہے تھے۔کانوں میں لگے ائیر پیس سے اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی سے بات کر رہی تھی۔ نظر ائیر پیس سے ہٹ کر اسکے سٹڈز پر ٹھہری۔ سفید چمکتے ہیروں کو اس نے بغور اسے دیکھا۔وہ جو اسے

www.novelsclubb.com

تک رہا تھا اسکے لب ہلے۔"کے کے" مدھم سرگوشی۔یوں کہ اسے خود کے کانوں نے بھی نا سنی ہو۔

مگر یہ لفظ، یہ نام، دل نے سن لیا تھا۔کیسے؟دل کی باتیں دل ہی جانے۔

سبز بتی روشن ہوئی تو ہر سو سے ہارن کی آوازیں اسکے کانوں سے ٹکرانے لگیں۔مگر وہ ہنوز اسے نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔اسکی گاڑی زن سے آگے بڑھی تو اس کا سکتہ بھی ٹوٹ گیا۔ہارن کی آوازیں، شور سب اب سنائی دینے لگا تھا۔مگر جو سحر طاری تھا وہ ویسے ہی رہا۔چند پل قبل گاڑیوں سے بھری سڑک اب خالی تھی۔نظر خود سے دور جاتی بگاڑی ڈیوو پر تھی جو ہوا سے گویا تھی۔اس نے بھی رینج روور کی سپیڈ بڑھا دی۔وہ اسکے تعاقب میں تھا۔

کیا کرنے آیا تھا بھول گیا۔کیا کام تھا یاد نہیں رہا۔اسکے پیچھے کیوں جا رہا تھا معلوم نہیں تھا۔کوئی سحر تھا کوئی ڈور تھی جو اسے اسکی شخصیت سے بیگانہ کر رہی تھی۔ورنہ وہ یوں لڑکیوں کا پیچھا تو نہیں کرتا تھا۔اسکی گاڑی نے موڑ کاٹا تو وہ بھی

اسی جانب ہو لیا۔اسکے لب مسکرا رہے تھے۔الوہی خوشی تھی جس سے قلب جھوم رہا تھا۔

انوکھی چمک تھی جو اسکی آنکھوں میں تھی۔دس منٹ کے سفر کے بعد سیاہ بگاٹی ڈیوور کی تو چند قدموں کے فاصلے پر رینج روور کی بریک پر بھی پاؤں رکھ دیا گیا تھا۔

،وہ کہکشاں کو کار سے نکلتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔سیاہ جینز شرٹ،سیاہ مفلرز سرخ ہیل۔اسکا حلیہ ہمیشہ جیسا تھا۔پھر بھی کشش الگ کیوں تھی؟

وہ وقار کے ساتھ چلتی ہوئی شیشے کا دروازے دھکیل کر اسکی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔مگر ذہن کے پردے پر ابھی بھی اسکا عکس نمایاں تھا۔

دلکش سا،پر کشش سا عکس۔

اس نے سیٹ بیلٹ کھولا گاڑی کا دروازہ کھولتے ایک قدم سڑک پر رکھا مگر پھر ذہن میں کچھ کلک ہوا تو وہ واپس کار میں بیٹھا۔وہ عجلت سے سیٹ بیلٹ باندھ رہا تھا۔اس نے گاڑی کو ریورس کیا دروازے کے سامنے کھڑے گارڈ نے برق رفتاری سے دور جاتی ہوئی رینج روور کو تفتیشی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

آسمان پر بادلوں کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا۔ گھٹائیں فلک پر رقص کر رہیں تھیں۔ ہلکی پھلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔

اسی لمحے اسکی رینج روور بگاٹی ڈیوو کے برابر آکر کھڑی ہوئی۔ بریک اسطرح سے لگائی گئی تھی کہ اسکی گاڑی کے ٹائر چرمرائے۔ چھتری کی چھاؤں میں بیٹھے گارڈ نے نظریں اٹھائیں۔وہ شخص بیک سیٹ سے چھاتہ اٹھا کر باہر نکلا۔گارڈ نے نو وارد کو دیکھا۔سیاہ پینٹ پر سیاہ شرٹ میں ملبوس اس شخص نے آستیں موڑ رکھیں تھیں

کلائی پر سیاہ ڈائل والی مہنگی گھڑی تھی۔ایک ہاتھ سے چھتری تان رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں تازہ گلاب کے پھولوں کا بکے تھا۔

بھوری آنکھوں والا مرد بارش میں اپنی پوری وجاہت سے ساتھ کھڑا تھا۔وہ دروازے کی جانب بڑھا تو گارڈ نے بنا کوئی سوال کیے دروازہ کھولا۔وہ شخص گلاس ڈور عبور کر گیا۔

اندر کا ماحول پر اسرار تھا۔ورکرز اپنے کام پر لگے ہوئے تھے۔کوئی کمپیوٹر کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہا تھا تو کوئی میز پر جھکا پینسل چلا رہا تھا۔وہ جو غائب دماغی سے یہاں آگیا تھا اس نے چند ایک ورکرز کو اپنی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا۔

"ہیلو۔"

"۔ہیلو سر۔" جابجا سے "ہیلو ہیلو" کی آوازیں سنائی دے رہیں تھیں مگر ذہن کچھ بھی پراسیس نہیں کر رہا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھ میں پھولوں کا بکے دیکھا تو مزید شرمسار ہوا۔

وہ یہاں آگیا؟

کیوں؟

کیسے؟

خود سے سوال کیے اور خود کو کوسا۔بظاہر مسکراتے ہوئے وہ ہر کسی کو اسکے ہیلو کا جواب دے رہا تھا۔بن بلائے مہمان نے اپنی جانب بڑھتے ایک آدمی کو دیکھا۔وہ شخص بھورے پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا۔نووارد نے اسے بڑھتے اور خود کے گلے لگتے دیکھا۔پھر وہ اسے کسی جانب آنے کو کہہ رہا تھا وہ ان تمام ورکرز کی نگاہوں کے حصار میں اس شخص کے تعاقب میں چل رہا تھا۔قدم بہ قدم چلتے ہوئے نظر سامنے دیوار پر پڑی تو وہاں تحریر الفاظ خاموشی سے ادا ہوئے۔

" KK Creations"

وہ اب کہکشاں کے مقابل اسکے آفس میں تھا۔

کے کے کی کلائی پر ڈائمنڈ کا نفیس سا بریسلٹ تھا۔انگلی میں سیاہ ڈائمنڈ کی رنگ۔کانوں میں سٹڈ۔مقابل کی نظر اسکے سٹڈز پر تھی۔زیادہ پسند آ گئے تھے اسکو۔سرخ پھولوں کا بکے میز پر رکھا ہوا تھا۔

"Happy to see you here "

ہیلو کے بعد یہ پہلی بات تھی جو کہکشاں نے کی تھی۔رستم کو اپنی بے اختیاری پر حیرت ہوئی۔

"تھینکس۔"وہ سنجیدہ سا گویا ہوا۔

براؤن سوٹ میں ملبوس عدیل کھگہ بھی منظر کا حصہ تھا۔

رستم لفظ مجتمع کر رہا تھا۔شدید شش وپنج میں مبتلا رستم نے سر اٹھایا۔

وہ کیوں اس لڑکی کے لیے سب چھوڑ کر آ گیا تھا وہ تو اسلام آباد کام سے آیا تھا۔

اسکے ہاتھ میں تھاما موبائل تھر تھرایا۔رستم نے انلاک کیا تو وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"وہ مجھے پوچھنا تھا کیا آپ میری پارٹنر بنیں گی؟۔"وہ اچانک سے بولا۔

کہکشاں نے حیرت سے اسے دیکھا۔عدیل کھگہ کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔وہ ششدر اسے تک رہا تھا۔

"واٹ۔"وہ چونکی۔

اپنے الفاظ یاد آئے تو وہ ٹھٹھکا۔پھر سمجھ گیا۔

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"ایکچلی... میرا کہنا ہے کہ انٹر نیشنل کولیبریشن ایونٹ کی میل آئی تھی تو میں اسی سلسلے میں آیا تھا۔پہلی بار کے کے کریئشنز نے خان ٹیکسٹائل کو کولیب کا آفر کیا تھا اس بار خان ٹیکسٹائل کر رہا ہے۔"

اس کی نظر دیوار پر لگی کہکشاں کی تصویر پر تھی۔وہ حسین تھی یا لگتی تھی ۔فیصلہ مشکل تھا۔

"کیا کے کے کریئشنز خان ٹیکسٹائل کا پارٹنر بنے گا۔؟"

اب کی بار کہکشاں کے تاثرات مختلف تھے۔

"ویل آپکو انفارم کر دیا جائے گا۔"اس نے کہا مگر وہ کسی سوچ کے زیرِ اثر کہہ رہی تھی۔

"پلیز۔۔"اس نے رستم کے سامنے رکھے کافی کے کپ کو دیکھ کر کہا تھا۔

رستم نے کپ اٹھالیا۔کہکشاں اپنے موبائل کو تھامے بیٹھی تھی۔

وہ مسکرائی اتنا کہ گال کا گڑھا خاصہ گہرا ہوا۔

وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ سر جھکائے اسکی نظریں اس میل پر تھی جو تین منٹ قبل موصول ہوئی تھی۔اور مقابل جو اپنے آنے کا مقصد بتا رہا تھا اسے یہاں بیٹھے تقریباً دس منٹ سے اوپر ہو چکے تھے۔وہ جو بے خبر سی بیٹھی تھی رستم کی نگاہیں اس پر تھیں اسکی مسکراہٹ وہ دیکھ سکتا تھا۔

وہ مسکراتی تھی تو یوں جیسے دنیا میں غم کے ماروں کے دکھ مٹ جاتے تھے۔ وہ مسکراتی کیوں نہیں تھی؟ اس نے سوچا۔

کہکشاں نے نظریں اٹھائیں۔اور رستم کا دل رک گیا۔یہ آنکھیں۔ان آنکھوں کے لیے تو سلطنت چھوڑی جا سکتی تھی وہ تو بس ایک میٹنگ مِس کر گیا تھا۔

ارد گرد کے ماحول میں کوئی مدھم سا سر بکھرنے لگا تھا۔وہ کسی سحر کے اثر میں تھا۔من چاہا کہ وقت تھم جائے اور منظر یہیں ٹھہر جائے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

مگر قسمت کے ان مسافروں کا ساتھ فلحال یہیں تک تھا۔

کیا پتا قسمت پھر سے چال چلنے لگے۔؟

وہ ٹھوڑی کو ہاتھوں کی مٹھیوں پر ٹکائے بیٹھی تھی۔کچھ سوچتی ہوئی، نتیجہ نکالتی ہوئی۔

"آپ کیا کریں گی باس؟۔"سوال عدیل نے کیا تھا۔کے کے کریئشنز میں ایک وہی تھا جو باس سے یوں سوال کر سکتا تھا۔

"کس بارے میں۔"وہ ترکی باترکی بولی۔

"خان ٹیکسٹائل سے کولیبریشن کے لیے۔"

"تمھیں کیا لگتا ہے باس کیا کریں گی۔؟"اسکی آنکھیں چمکیں۔وہ خوشگوار موڈ میں تھی۔

www.novelsclubb.com

"باس آپکے ارادے کوئی نہیں جان سکتا۔" کہکشاں نے سر کو خم دیا۔ عدیل کو داد دی گئی تھی۔

"لیکن مجھے لگتا ہے ہمیں انکار کرنا چاہیے۔" اسکے لفظوں پر وہ سنجیدہ ہوئی۔

"وجہ۔؟" بے ساختہ سوال کیا۔

"باس شیرازی فیشن ایونٹ میں بھی بدر حسین کو آپ نے ایوارڈ دلوا دیا۔" اسکے لہجے میں فکر عیاں تھی۔

"بدر کا منہ بند کروانے کے لیے اس وقت ضروری تھا۔ کے کے کسی کو اپنی محنت کا انعام ایسے ہی نہیں دے دیتی۔"

وہ اپنی رو میں کہہ رہی تھی۔ عدیل اسکی جانب متوجہ تھا۔

"ایسے بہت سے ایونٹس ہوں گے جن میں جیت کے کے کی ہو گی۔ مگر اس ایونٹ میں میری جیت نے بدر کے حسد کو مزید بڑھا دینا تھا۔ اور میرے پاس

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

فضول وقت نہیں کہ میں اپنا کام چھوڑ کر بدر جیسے کتوں سے نپٹتی رہوں۔" عدیل نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ وہ کہکشاں کی سوچ سے متاثر ہوا تھا۔

"خان ٹیکسٹائل کو میل کر دو کہ انٹر نیشنل ایونٹ میں کے کے کریئشنز، خان ٹیکسٹائل کے ہمراہ ہوگا۔" اس نے کہتے ہوئے ہاتھ سے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔

"مگر باس۔۔" وہ اسے جانے کا کہہ رہی تھی اور وہ اسکے فیصلے کی تردید کر رہا تھا۔

"کے کے کو کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہے عدیل۔" اسکی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ اس کے بعد عدیل کھگہ کچھ کہے بنا دروازے سے باہر نکل گیا۔

کہکشاں کی نظر میز پر رکھے پھولوں پر تھی۔ اس نے ٹشو باکس میں سے ٹشو نکالا۔ ہاتھ پر ٹشو لپیٹ کر پھولوں کا گلدستہ اٹھایا۔ میز کے نیچے پڑی باسکٹ میں پھینک دیا۔

" I Hate flowers, I Hate Red flowers"

وہ بولی تو آنکھوں میں ایک داستان رقم تھی۔ کوئی کہانی تھی جو پنہاں تھی۔ مگر وہ کہانی پھر سہی۔

اسکی رینج رو ور اسلام آباد کی سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی۔ ہوا تیز تھی۔ طوفانی بارش برس رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوشی کی رمق تھی۔ ملاقات غیر متوقع تو تھی مگر خوشگوار تھی۔

اس خوشگوار ملاقات نے اسکا اسلام آباد کا سفر حسین بنا دیا تھا۔

آنکھوں میں سبز آنکھوں کا عکس تھا۔ سر جھکا کر مسکراتی ہوئی وہ۔

رستم کے لبوں پر بھی مسکراہٹ امنڈ آئی۔

www.novelsclubb.com

اسکی گاڑی ایک بلند و بالا عمارت کے سامنے رکی۔ وہ اسکا فارم ہاؤس تھا۔

چوکیدار نے اسے دیکھتے ہی دروازہ کھول دیا۔ گیٹ سے گاڑی اندر آئی۔

وسیع لان میں سبزہ بھیگ رہا تھا۔ وہ چھاتہ اوڑھ کر سرخ اینٹوں اور پتھروں سے بنی راہداری سے گزر کر اندر آیا تو ملازم نے اسے سلام کیا۔

"کھانا لگا دوں سر۔" ملازم نے کہا تھا۔

"پانی پلا دو بشر۔" وہ دھیمی سی آواز میں بولا تھا۔

اس نے موبائل انلاک کیا۔

وہ بے یقین سا موبائل سکرین دیکھ رہا تھا۔ اسکی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

کے کے کریئشنز کی جانب سے میل موصول ہوئی تھی اور جواب مثبت تھا۔

اس جواب نے اسے سرشار کیا۔

"بشر۔۔۔"اس کی بھوک بڑھ گئی تھی۔ کھانا لگانے کا کہنے کے لیے بشر کو آواز لگائی۔ کوئی جواب نہ ملا۔

"بشر "وہ پھر سے بولا۔ مگر جواب ندارد۔

موبائل پر احسن کی کال آرہی تھی۔اس سے قبل کے وہ پک کرتا کال کٹ گئی۔

اتنے میں ملازم اسکے سر پر کھڑا تھا پانی کا گلاس پیش کرتا ہوا رستم نے پانی کا گلاس تھام لیا۔ مگر دھیان ہنوز سکرین پر تھا۔پانی کا گھونٹ بھرتے اس نے احسن کو کال ملائی۔

www.novelsclubb.com

موبائل رنگنگ کی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔اس کا ہنستا مسکراتا چہرہ نظروں میں سما گیا۔وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ تخیل یا حقیقت؟

"یوں خوش ہو رہے ہو محبوبہ سے مل کر آئے ہو۔؟" اسکی آواز سنتے ہی وہ حقیقت میں لوٹ آیا۔

رستم پانی کا گلاس میز پر رکھتے اٹھا۔احسن اسکے گلے لگا اسکی پشت تھپک رہا تھا۔

رستم کا حصار مضبوط تھا۔

رستم پیچھے ہٹا تو احسن نے اسکے ہاتھ تھام لیے۔

"ایک بات بتاؤ؟۔" وہ سنجیدہ تھا۔

رستم نے ہنکارا ابھرا۔

"میری حق تلفی تو نہیں کر رہے؟" اسکے تاثرات نہیں بدلے وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

رستم کی پیشانی پر بل پڑے۔" کیسی حق تلفی۔؟"

"یہی... ہو سکتا ہے تمہاری کوئی چھپی محبوبہ ہو اور..."

"اوہ گاڈ احسن۔" رستم ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کھلکھلا کر ہنسا۔ "اف خدایا۔"

اسکی ہنسی بے ساختہ تھی۔ احسن نے اسے گھوری سے نوازا۔

رستم نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بغیر کوئی سوال جواب کے بیٹھ گیا۔ رستم ابھی بھی ہنس رہا تھا۔

"رستم" اس کے لب ہلے۔

رستم نے اسے دیکھا۔ بلیو جینز پر سفید ٹی شرٹ میں ملبوس احسن سر گرداں سا دکھائی دیتا تھا۔ ماتھے پر تتر بتر گھنگریالے بالوں کے چھلے پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا پریشان کیوں ہو۔؟" اسے پریشان دیکھا تو وہ بھی متردد ہوا۔

احسن تو یوں تھا کہ بس آنسو بہانے کی کمی تھی۔ احسن کا چہرہ دیکھ اپنوں کی فکر ستانے لگی گئی تھی۔ وہ اچانک سے کیوں آیا تھا؟

"کیا ہوا ہے کچھ بتاؤ گے ؟۔" وہ فکر مند سے پوچھ رہا تھا۔

"تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔" اسکے جواب پر رستم مضطر ہوا۔

"میں نے کیا کیا۔؟"

"تم نے میرے خدشات کو بڑھایا ہے۔" وہ آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا۔ آوز رندھی ہوئی تھی۔ معاملہ رستم کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"کیسے خدشات ؟" وہ بے اختیار بولا۔

"یہی کہ تمہاری کوئی نئ نویلی محبوبہ ہے۔"

"کونسی محبوبہ ؟۔"

"وہی جس کے بارے میں تم نہیں بتا رہے۔ جس کا سوچ سوچ کر مسکراتے ہو۔" رستم نے اپنی پیشانی مسلی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"تمہیں کیوں لگتا ہے میری محبوبہ ہے؟" رستم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ اسکی فضول باتوں کا کیا جواب دے۔

"تو کیا نہیں ہے۔؟" وہ سوال کر گیا۔ رستم خاموش رہا۔

"دیکھا۔۔۔" احسن نے انگلی اٹھائی "اسکا مطلب ہے کوئی ؟۔"

"میں نے کب کہا۔" وہ متحیر سا گو ہوا۔

"یہ بھی تو نہیں کہا کہ نہیں ہے۔"

رستم نے لمبی سانس لی۔

"نہیں ہے میرے بھائی۔ کوئی نہیں ہے۔" وہ اسے مطمعن کرنے کی کوشش میں واشگاف لفظوں میں بولا۔

"پکا؟"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"کچا پکا کیا ہوتا ہے۔ نہیں ہے" رستم نے ہو بہو اسی کے انداز میں کہا تھا تو احسن مسکرایا۔

"کھانا ملے گا۔ بھوک لگی ہے" احسن کی کہنے پر رستم مسکراتا ہوا اثبات میں سر ہلا گیا۔

وقت کے اسی حصے میں طیارہاؤس میں آؤ تو وہاں روشنیوں کا بسیرہ تھا۔

"کل سے کدھر تھے۔؟" وہ غصے میں تھیں۔

صوفہ پر ان کے ہمراہ بیٹھے احتشام نے سر نہیں اٹھایا۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔" انکی آواز بلند تھی۔

خاموشی۔۔۔۔

"احتشام بیٹا۔" غصے سے کام نہیں بنا تو وہ نرمی پر اتر آئیں۔

"کچھ نہیں ماں۔" مدھم سی آواز۔ وہ تھکا تھکا سا معلوم ہوتا تھا۔ خان بابا نے میز پر ٹرے رکھی۔

"کچھ تو ہوا ہے۔؟" کیوں اداس ہے میرا بچہ۔ ماؤں جیسی فکر تھی۔ ماؤں جیسا شہد بھرا میٹھا لہجہ۔

خان بابا نفی میں سر ہلاتے ہوئے ان دونوں کے سامنے کپ رکھ رہے تھے۔

"اداس نہیں ہوں، حیران ہوں۔"

"وہ کس لیے۔؟" وہ بھی متحیر ہوئیں۔

"وہ ہواؤں میں اڑنے لگا ہے ماں۔" اس نے سر اٹھایا تو آنکھوں میں سرخی تھی۔ انتقام کا لاوا اسکے اندر بھڑک رہا تھا۔

"میں پر کترنے میں ماہر ہوں۔" وہ پر جوش انداز میں بولیں۔ حقارت اور نفرت کی الگ داستان انکی آنکھوں میں بھی تھی۔ کچن کی جانب جاتے ہوئے خان

بابا کے قدم سست روی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ان کی آوازیں سنتے ہی وہ رستم کے لیے پریشان ہوئے تھے۔

"کچھ کریں ماں۔ورنہ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے ہم۔"

"اس نے کچھ کہا تم سے۔"رستم کا خود سے برتا ہوا دو دن پہلے کا رویہ یاد آیا تو وہ سوال کر بیٹھیں۔جوان کا لحاظ بھول سکتا تھا۔احتشام تو پھر اس سے چھوٹا تھا۔ انہوں نے سوچا۔

"یہ پوچھیں کہ کیا نہیں کہا۔"

وہ رازداری سے کہہ رہا تھا۔کلثوم بیگم کو تو پتنگے لگ گئے۔

"کیا کہا اس نے۔"وہ سخت لہجے میں بولیں۔

احتشام کی آنکھوں کی سرخی میں مزید اضافہ ہوا۔اشتعال سے وہ مٹھیاں بھینچ کر ضبط کے آخری مرحلے پر تھا۔

"اس نے مجھے زلیل کیا۔مجھے احتشام خان کو۔"اسکی آنکھیں غیر انسانی تھیں

۔

اس کے بعد وہ خان ٹیکسٹائل میں دو دن قبل ہوئے واقعے کے بارے میں بتاتا رہا۔کلثوم بیگم کی آنکھوں میں نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ان کی رنگت لمحہ بہ لمحہ متغیر ہو رہی تھی۔

"میں سب ٹھیک کردوں گی۔"احتشام نے ماں کو کہتے سنا۔پھر وہ انکی گود میں سر رکھ کر صوفہ پر گٹھری بن گیا۔

وہ اسکے بالوں میں انگلیاں پھیر رہیں تھیں۔

اسکی گردن پر زخم کانشان دکھاتوانکے ہاتھوں کی حرکت تھم گئی۔

"چوٹ کیسے لگی۔"

فکراور پریشانی انکے لہجے میں در آئی۔

"پرانی ہے ماں۔"اس نے ٹالنا چاہا۔

"میں نے پوچھا کب لگی؟"وہ اپنی بات پر اٹل تھیں۔آخر کار ماؤں والا دل تھا انکا بھی۔اپنی اولاد کے لیے تو انکا دل نرم تھا۔

"ایکسیڈنٹ ہوا تھا چھوٹا سا تو چوٹ لگ گئی۔"

انکا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"کب؟"وہ فکر مند تھیں۔

"جب میں Vecations پر گیا تھا۔"

وہ تو ہکا بکارہ گئیں۔اتنی بڑی بات ہو گئی انہیں معلوم ہی نہیں تھا۔

"اور کہاں کہاں چوٹ آئی تھی وہ اسکے بازو ٹٹول رہیں تھیں۔علاج کرایا تھا۔

"؟

اس سوال پر وہ کسی سوچ میں غرق ہونے لگا۔

"ہاں ماں ایک پری مل گئی تھی۔اس نے مجھے بچالیا۔" وہ کسی طلسم کے زیرِ اثر کہہ رہا تھا۔

"اچھا۔" اسکا بدلتا رویہ اور اسکی مسکراہٹ دیکھ وہ اشتیاق سے بولیں۔

"کہاں سے آئی تھی پری۔" وہ اب مسکراہٹ دبانے کی کوشش کررہیں تھیں۔

"فلک سے۔بہت پیاری تھی۔" وہ اب کھل کر مسکرارہا تھا۔

"لادیں پھر؟۔"

"کیا واقعی؟" اس نے انکا مسکراتا چہرہ دیکھا انکا سر اثبات میں ہلتا دیکھ وہ کھلکھلا کر ہنسا۔

"لو یو ماں۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر اسے چوم رہا تھا۔انکے ایک ہاتھ کو سینے سے لگائے وہ سکون کی نیند سو گیا۔

کلثوم بیگم کی سماعت میں احتشام کے لفظوں کی بازگشت عروج پر تھی۔انکی رگوں میں بہتے خون کی گردش تیز تھی۔

میز پر پڑی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔مگر کوئی آگ تھی جو انکے اندر بھڑک رہی تھی۔نظریں ایک نقطے پر جمیں تھیں اور زہن کوئی خرافاتی جال بن رہا تھا۔

اس جال میں کون پھنسنے والا تھا؟

رستم کے فارم ہاؤس میں واپس آو تو دستر خوان پر بیٹھے وہ دونوں کھانا کھا رہے تھے۔فارم ہاؤس کی گلاس وال پر گرتے قطروں کی مدھم سی آواز،اور چھری کانٹوں کی کھٹ پٹ ہر سو گونج رہی تھی۔

احسن سامنے رکھے لوازمات سے انصاف کر رہا تھا۔رستم کی عدم موجودگی میں بشر کو مینو بتانے والا وہی تھا تبھی وہ خوش نظر آرہا تھا۔

رستم نے بریانی کھاتے ہوئے سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی تو معلوم ہوا وہ اسکی نظروں کے حصار میں تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" اس نے ٹٹولا۔

احسن نے سر کو خم دیا۔" کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ تم لڑکی ہوتے تو تمیں پٹا کر شادی رچانی تھی تم سے۔" وہ نہایت سنجیدہ تھا۔

رستم پہلے تو حیران ہوا پھر خفیف سا ہنسا۔" میں تو جیسے پٹ جاتا۔"

" جاؤ جاؤ، میرے جیسا، حسین، خاندانی مرد سات جنم لے کر بھی نہیں ملنا تھا۔" اسے شاید کسی اور جواب کی توقع تھی تبھی سلگ کر رہ گیا۔

رستم نے سرد آہ بھری۔" شکر ہے ہمارے ہاں سات جنم نہیں ہوتے۔"

" اوہ" احسن کے ہونٹ گول ہوئے۔

"افسوس ہے کہ تمہارے لیے انگور کھٹے ہی رہیں گے۔" وہ اب اسے لڑکا ہونے کا خسارہ گنوا رہا تھا۔ رستم سر جھکائے ہنستا چلا گیا۔

"تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"ایسے کہتے کہتے ایک دن میری شادی ہو جائے گی اور تم دیکھتے رہ جاؤ گے۔" وہ وثوق سے بولا۔

"کون کرے گا اس فسادی سے شادی؟۔"

"تم۔" احسن نے آنکھ ونک کرتے کہا۔

"استغفرُللہ... میں نہیں کروں گا۔" وہ باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔

"کوئی ملی اپنے جیسی تو سنبھال لینا۔" رستم نے ہنستے ہوئے مشورہ دیا۔

احسن جو اسکی پہلی بات پر تپ رہا تھا اسکی نصیحت پر آنکھوں میں کوئی شناسا سا چہرہ سمایا تو وہ مسکرایا۔

"میں نے سنبھال لیا۔" آواز دل کی تھی۔ دل نے کہی۔ دل نے سنی۔ اور دل ہی میں رہ گئی۔

فلک سیاہ تھا۔ موسم دلکش۔

ہلکی سی ہوا چل رہی تھی۔

رات کی سیاہی میں اسلام آباد کی شفاف سڑکوں پر سٹریٹ لائیٹس جل رہیں تھیں۔ ان سٹریٹ لائٹس میں وہ دونوں اپنی اپنی ڈُکاٹی سنبھالے ہوئے تھے۔

"میں جیت جاؤں گا۔" وہ چیلنجنگ انداز میں کہہ رہا تھا۔ سیاہ ٹریک سوٹس میں ملبوس وہ دونوں ہاتھوں پر گلوز اور سر پر ہیلمٹس پہنے اپنے ٹارگٹ کو ہٹ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

"دیکھیں گے۔" رستم کی آواز بھی بلند تھی۔

"دیکھ کر بے ہوش مت ہو جانا۔" احسن مان سے بولا۔

"غرور اچھا نہیں ہوتا۔" وہ گاڑی کو ریس دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تو پھر کیوں ہے تمہیں مجھ پہ۔" اسکی آنکھیں چمکیں۔اس نے ہیلمٹ نہ پہنا ہوتا تو سڑک پر پھیلی زرکار روشنی میں وہ اسکی مسکراہٹ دیکھ سکتا۔رستم اب پہلی بار لاجواب ہوا تھا۔

اس نے ریس دی اور بائیک ہوا کے زیرِاثر زن سے آگے بڑھ گئی۔احسن اسکی اس حرکت پر ششدر رہ گیا۔وہ ریس کا ٹائم شروع ہونے سے پہلے ہی اس سے کتنا آگے جا چکا تھا۔احسن نے ہیلمٹ کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے سپیڈ پکڑی۔بتیوں کی روشنیاں ان کی بائیکس کے پیچھے دھندلا رہی تھی۔بائیکس کے انجن کی آواز رات کے سناٹے میں گونجی رہی تھی۔یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دو جنگجو میدان میں اتر آئے تھے۔

چند پل بعد احسن اس کے برابر تھا۔

رستم نے اسے برابری میں دیکھا تو وہ کٹ کراتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔احسن کو تو تپ ہی چڑھ گئی۔

"میرا دل جس دل پہ فدا ہے اک بے وفا ہے۔" وہ سُر الاپ رہا تھا۔

رستم کے کانوں میں اسکی آواز گونج رہی تھی۔

"اک بے وفا ہے۔" وہ اپنی دھن میں مگن گائے جا رہا تھا۔

"ہاں بے وفا ہے۔"۔ان کے مابین فاصلے کے مطابق آواز مدھم ہوتی پھر زیادہ۔

"تو بے وفا ہے۔" رستم مسکرایا۔

وہ اب دھیرے دھیرے اپنی سپیڈ سلو کر رہا تھا۔احسن کا گانا نہیں تھا ایموشنل کارڈ تھا جو کہ کام کر گیا تھا۔

اب رستم اسے جیتانے کے لیے خود کو ہرانے والا تھا۔

www.novelsclubb.com

احسن کی بائیک فراٹے بھرتی ہوئی اسکی ڈُکاٹی سے آگے بڑھ گئی۔رستم وقفے وقفے سے اپنی بائیک کی سپیڈ تیز کرتا تاکہ اسے یہ نا لگے وہ اسکے لیے یہ سب کر رہا تھا۔

احسن جو اپنی دُھن میں مگن فینشنگ پوائنٹ پر پہنچنے ہی والا تھا اپنے سامنے آتی سائیکل کو دیکھ کر چونکا۔احسن نے ہاتھ سے ہٹنے کا اشارہ کیا۔مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔بائیک جتنی سپیڈ پر تھی بریک لگانے پر بھی اس سائیکل تک پہنچنے تک نہ رکتی۔ احسن کا دل خوف سے لرز رہا تھا۔

اس نے بریک لگانے کی کوشش کی۔اسکی سانسیں تیز ہو رہیں تھیں۔رستم کی حالت بھی غیر تھی۔احسن کے کانوں سے اسکی فکر بھری آواز ٹکرا رہی تھی۔

"احسن سٹاپ۔۔۔سٹاپ احسن۔"احسن کے ہاتھوں میں جیسے جان نہیں تھی۔اسے اپنا دماغ مفلوج ہوتا محسوس ہوا۔اور بائیک اس سائیکل کے بلکل پاس تھی۔

دل خراش چیخ ہوا میں گونجی۔احسن جو آنکھیں میچ گیا تھا۔اس نے آنکھیں کھولیں تو بائیک تھم گئی تھی۔اس نے گہری سانس لی۔اس نے ہیلمٹ کا شیشہ اوپر کیااور سائیکل کے مسافروں کو دیکھا۔

ڈکاٹی کی ہیڈلائٹ میں ان کے نقوش واضح تھے۔

سفید پینٹ کوٹ میں ملبوس گوری رنگت والا بچہ تھا۔اسکے پیچھے بیٹھی سرخ فراک میں ملبوس چھوٹی سی گڑیا۔احسن نے انہیں تکا۔پھر بائیک سے اترا۔

"آر یو فائن۔"اس نے جھک کر بچے سے پوچھا۔

وہ بچہ اسکی بات نہیں سن رہا تھا۔

"آر یو اوکے بے بی۔"وہ رخ موڑے اپنے ساتھی سے سوال کر رہا تھا۔

"جی"وہ اپنی باریک سی آواز میں بولی۔احسن کا چہرہ متبسم تھا۔

"از شی یور سسٹر۔؟"(کیا یہ تمہاری بہن ہے۔؟)احسن سوال کر گیا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"استغفرُللہ" وہ بلاتامل بولا۔

احسن کا قہقہہ گونجا۔رستم بائیک سے اتر کر فکرمندی سے ان کے پاس آ کھڑا ہوا۔جب دیکھا کہ وہ ٹھیک ہیں تو وہ مطمعن ہوا۔

"بیٹا اتنی رات ہوگئی آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟۔" وہ متفکر سا گویا ہوا۔

"ایکچلی ہماری Anniversary ہے انکل۔" جواب بچی نے دیا تھا۔

رستم کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"از شی یور وائف؟(کیا یہ آپکی بیوی ہے؟)"احسن کا پسندیدہ ٹاپک تھا وہ رغبت سے پوچھ رہا تھا۔

"وائف ٹو بی۔"(ہونے والی بیوی۔) بچے نے تصیح کی۔رستم نے ضبط سے لبوں کو پیوست کرلیا۔احسن کا قہقہہ گونجا۔

"اگر یہ آپکی وائف نہیں ہیں تو۔۔۔"

"چلیں ناں دیر ہو رہی ہے۔" سرخ فراک میں ملبوس دودھیا رنگت والی بچی نے کہنی اپنے ساتھی کی کمر میں دے ماری۔احسن کا جملہ ادھورا رہ گیا۔

"اوکے انکل۔" بچے نے اپنی سائیکل چلانا شروع کرتے ہوئے احسن سے کہا۔

رستم احسن کو دیکھ رہا تھا جبکہ احسن کی نظران سے دور جاتے ہوئے بچوں پر تھی۔چہرے کے تاثرات یوں تھے کہ موصوف کو گہرا صدمہ لگ گیا ہوا۔

"کیا ہوا۔؟" رستم نے ٹٹولا۔

"جب ہم اتنی عمر کے تھے ماں کہتی تھی کہ لڑکیوں کے ساتھ گھومنے سے کان پک جاتے ہیں۔" اسکا رنج گہرا تھا اور رستم کی ہنسی بے ساختہ تھی۔اسکے ہنسنے پر احسن نے گردن موڑ کر اپنے پیچھے کھڑے رستم کو دیکھا۔

"اچھا اچھا نہیں ہنس رہا۔"

"نہیں، نہیں ہنسو دل کھول کر ہنسو۔ تم ان سے کم تو نہیں تھے۔" رستم جو اپنی غلطی تسلیم کر رہا تھا سلگ کر رہ گیا۔

"احسن بیٹا رک تو زرا۔" اس سے قبل کے رستم اسے ایک تھپڑ جھڑتا احسن صاحب نے دوڑ لگا دی۔ احسن اس سے آگے تھا اور رستم اسکے تعاقب میں بھاگ رہا تھا۔

یوں فلک پر بادلوں نے چاند کے ہمراہ ان کی خوشیوں کو بھی اپنی آغوش میں چھپا لیا۔

---

www.novelsclubb.com

دو دن بعد

پی آئی اے نے اسلام اباد کی خاموش اور گرمی میں جھلستی بستیوں کو خیر آباد کہتے ہوئے ہواؤں سے گویائی شروع کی اور بالاخر پچپن منٹ کی مدہوش اڑان کے بعد آکاش سے قطع تعلق کر کے دھرتی پر قدم جمانے شروع کیے۔ کچھ ہی

لمحات میں مسافروں کو نئی دنیا نے خوش آمدید کہا۔ ہوائی اڈے کی گہما گہمی میں اس کی سرخ ہیل نے محبتوں کی سرزمین، وفاداروں کی ٹھکانے، زندہ دلوں کی بستی، شہر دل اور قلب پاکستان پر روک جما لیا۔ عدیل کھگہ بریف کیس دھکیلتے ہوئے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اور وہ سامنے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ جو مسرور چہروں کے ساتھ اپنوں کا استقبال کر رہے تھے۔ قطار میں کھڑے لوگوں پر نظر دوڑائی۔ وہ placards پر کنندہ حروف پڑھنے لگی۔

"دلاور تمہارے بنا دل نہیں لگتا۔"

"میں ناراض ہوں پر تمہاری محبت مجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔" دوسری تحریر پڑھنے کے بعد اس سے قبل کہ وہ مزید کوئی اور تحریر پڑھ پاتی۔

عدیل کی آواز سماعت سے ٹکرائی۔ Boss he is here عدیل کی آواز پر اس نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف عدیل نے انگلی سے

اشارہ کیا تھا۔سامنے ایک آدمی مہرون شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس ہاتھ میں پلیکارڈ تھامے کھڑا تھا۔چہرے پر مسکراہٹ لیے سانولی رنگت والا ادھیڑ عمر شخص۔

"Welcome to the City of LOVE"

عدیل کھگہ نے پر جوش انداز میں پلیکارڈ پر لکھی سطر کو دہرایا۔

مسکراہٹ تو تب سمٹی جب خود کی جانب متوجہ کے کے پر نظر ٹھہری۔

کہکشاں کے سرد و سپاٹ چہرے کے ساتھ اشارہ کرنے پر وہ دونوں اس شخص کی جانب بڑھے۔

اس شخص کے پلیکارڈ پر لکھی گئی تحریر تصادم اسکے ہاتھوں میں تھامے سرخ پھولوں کے بکے کو دیکھ کر کہکشاں کے تاثرات پتھر یلے ہوئے۔اس سے قبل کہ وہ شخص کہکشاں کو پھول تھمانے کے لیے آگے بڑھتا عدیل نے انہیں تھام لیا۔

"شکریہ "عدیل مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

چند لمحات کے بعد وہ دونوں کار میں تھے۔جوں جوں گاڑی منزل کی جانب بڑھ رہی تھی ہر پل نئے مناظر اور رنگینیاں نظر آتی تھیں۔ہلکی دھوپ تھی مگر موسم گرم نہ تھا۔کہکشاں خاموشی سے بیک سیٹ پر بیٹھی اپنے موبائل میں مگن تھی۔

"جی تسی پہلے لاہور ویکھیا۔؟"وہ شخص اسٹیرنگ گھماتے ہوئے بیک ویو مرر میں کے کے کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

کہکشاں نے سر اٹھایا۔جب دیکھا کہ سوال اس سے کیا گیا ہے۔

"نہیں"وہ سنجیدگی سے بولی۔

"اوہو..."اس آدمی کو خاصہ رنج ہوا۔

"پر کوئی گل نہیں جی ابھی دکھا دیتے ہیں۔"اس نے اسٹیرنگ گھمایا اور موڑ کاٹا۔"جی لاہور ہرا بھرا شہر ہے۔اس میں بڑے باغات ہیں یہ سمندر کنارے نہیں

ہے مگر اس میں بڑی خوبیاں ہیں۔" وہ آدمی اپنی دُھن میں کہے جا رہا تھا۔ کہکشاں کو کوفت ہونے لگی۔

"وہ دیکھو جی..." اس آدمی کے کہنے پر کہکشاں لاہور کی دیواروں پر فنکاروں کے خوبصورت رنگوں کو دیکھا۔ اور پھر بیزاری سے گردن موڑ لی۔ رنگ کے کے کو بھانے تھے بھلا؟

"جی ہم تو کراچی میں رہتے تھے لاہور آئے اور یہیں کے ہو گئے۔ یہ شہر کا اپنا ہی ایک رنگ ہے۔ جو آئے اس کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔" کہکشاں کو اس کی بات میں دلچسپی نہیں تھی۔ مگر فرنٹ سیٹ پر بیٹھا عدیل کھگہ بڑی خوشی سے اس کی گفتگو سن رہا تھا۔

"آپ کو لاہور کیسا لگتا ہے؟۔" عدیل نے پوچھا۔

"جی مجھے تو لاہور سے محبت ہے اور لاہور والوں سے بھی۔" آخری کا جملہ اس شخص نے بہت آہستگی سے ادا کیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ لاہوریوں کا دل بڑا ہوتا ہے۔" اس آدمی کی آواز کے ساتھ ساتھ لاہور کے شور شرابے اور ٹریفک کی فراوانی نے کہکشاں کو مزید بیزار کر دیا۔ اس شخص کے چہرے کی خوشی نے بھی اسے لاہور تکنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ اس نے سیٹ سے پشت لگائی اور آنکھیں موند لیں۔

"میرے نانا لاہور کے تھے۔" عدیل کے لب ہلے۔

"کیا نام تھا جی ان کا؟"

"دل نواز۔"

"او جی دل نواز؟" اس شخص نے ٹھوڑی پر انگلی کو حرکت دیتے ہوئے سوچنے کی سعی کی۔

"دل نواز سکندر۔" عدیل نے پورا نام بتایا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"وہ جو استاد تھے؟۔"

"جی جی "عدیل نے سر ہلایا۔

"بڑے چنگے آدمی تھے۔ابا کے دوست تھے۔"

"نصیر صاحب کے؟۔"عدیل نے تصدیق چاہی۔

وہ اس شخص سے زیادہ پر جوش تھا۔

"ہاں۔۔۔جی"جواب بھی سرشاری سے دیا گیا۔

"اور آپ شیر دل؟۔"

"ہاں جی ہاں جی"شیر دل نے جوشیلے انداز میں جواب دیا۔عدیل اور شیر دل کی رشتہ داری نکل آئی۔

لاہور شہر میں جاؤ اور پرانے رشتہ دار دوست احباب نہ ملیں۔ناممکن۔

www.novelsclubb.com

سڑک کے موڑوں پر چنگچی اور رکشوں کی بھرمار تھی۔لذیذ کھانوں کی خوشبو شوقین افراد کو سحر میں جکڑ رہی تھی۔

"جو لاہور آئے اسے محبت ہو ہی جاتی ہے۔لاہور سے بھی اور لاہوریوں سے بھی۔"اب کی بار کہکشاں نے آنکھیں کھول لیں۔اور شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

کہکشاں کے دل کو کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔الفاظ کی بازگشت نے کچھ پرانے پلوں کو اس کی یادداشت کا حصہ بنایا۔

"تم کہیں بھی چلی جاؤ بس لاہور مت جاؤ۔"زارا آپا کہہ رہی تھیں۔

"کیوں آپا؟۔"

"کیونکہ میرا من نہیں مان رہا۔"زارا آپا پریشان دکھائی دیتی تھیں۔

کہکشاں نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

www.novelsclubb.com

"کیوں پریشان ہیں؟پہلے بھی تو کتنی بار گئی ہوں ناں۔کتنے ملکوں میں جا چکی ہوں کتنے شہر گھوم چکی ہوں۔"اسکا انداز سمجھانے والا تھا۔

"ہاں مگر لاہور تو پہلے نہیں گئی ناں"زارا آپا اپنی بات پر قائم تھیں۔

"تو کیا ہو گیا آپا۔؟"وہ جھنجھلائی۔

"اچھا بتائیں میں کیوں نہ جاؤں؟"

"کیونکہ جو لاہور جاتا ہے اسے محبت ہو جاتی ہے۔"

وہ کسی طلسم کے زیر اثر کہہ رہی تھیں۔وہ وقت کے اس لمحے حال کا حصہ معلوم نہیں ہوتی تھیں۔شاید ان کے اپنے زخم تھے جن میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں ۔ہر محب خوش تو نہیں ہوتا ناں۔

شیر دل کی بھی وہی بات دوہرانے پر پہلی بار کسی انجانے شہر میں کہکشاں کے دل میں خوف اترا تھا۔

اسلام آباد کی خاموش سڑکوں کی عادی لڑکی نے سڑک کنارے لگے چائے کے ٹھیلوں، پھلوں کی ریڑھیوں، فٹ پاتھ پر لوگوں کا رش دیکھا تو اسے کوفت ہوئی۔

"کیا لاہوری اتنے اچھے ہوتے ہیں؟" پہلی بار کے کے نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"لاہوری وفادار ہوتے ہیں اور وفاداروں سے کسی محبت نہیں ہوتی بھلا؟۔"

"آپ کو محبت ہوئی؟" سوال عدیل نے کیا تھا۔

"ہاں جی ایک لاہورن ہمارے دل کو بھا گئی۔ ہم نے شادی رچالی۔ اور اب....." شیر دل نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اب؟؟" عدیل متجسس ہوا۔

"جی اللہ کو پیاری ہو گئی۔"

عدیل کے لب "اوہ" کہنے کے زیر اثر سکڑے۔اور اسی لمحے پچھلی سیٹ پر بیٹھی کہکشاں کے دل کو بھی کچھ ہوا تھا۔

"آپ دوبارہ کراچی نہیں گئے؟۔"

"نہ جی۔مجھے جمیلہ سے بڑی محبت تھی لیکن مجھے لاہور سے بھی عشق ہو گیا۔ بس پھر نہیں گیا کراچی۔"اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر اب کہکشاں سرشار ہوئی تھی۔

"کہتے ہیں جی جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ہم لاہور چھوڑ جائیں تو مر نہ جائیں۔"شیر دل نے شیروں کی طرح سینہ تان کر کہا۔اور کہکشاں نے ٹکٹکی باندھ کر چند پل اسے دیکھا۔

یہ منظر خان ٹیکسٹائل کے چھٹے فلور میں بنے ایک میٹنگ روم کا تھا۔لمبی میز کے گرد لگی لاتعداد کرسیوں میں سے رستم نے صدر کرسی سنبھالی ہوئی تھی۔جبکہ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

عدیل رستم کے ہمراہ دائیں جانب بیٹھا تھا۔کہکشاں رستم کے مقابل دوسری صدر کرسی پر براجمان تھی۔کافی کے خالی کپ ان کے سامنے تھے۔

بلیو جینز پر ہلکے سبز رنگ کی شرٹ میں ملبوس رستم طیار کی نظر کلائی پر بندھی گھڑی پر تھی۔

"یہ کدھر رہ گیا اب؟" وہ منتظر سا اپنی سوچوں میں گم تھا۔اتنے میں ہی احسن گلاس ڈور دھکیلتا ہوا اندر آیا تھا اسکے ہمراہ پریم چند بھی تھا۔

"اوہ سوری میں لیٹ ہو گیا۔" وہ بڑبڑایا۔نظر کہکشاں پر ٹھہری تو ٹھہر ہی گئی۔

"ہیلو میم۔آئی ایم احسن شیرازی۔" وہ خوش تھا۔

"ہیلو" کہکشاں نے جواب دیا۔

"میں رستم کا دوست۔" وہ اب بتیسی دکھا رہا تھا۔رستم سر جھکا گیا۔

"میٹنگ میں خود کو انٹروڈیوس کرانے کا یہ کونسا طریقہ ہے؟" وہ بے آواز اب احسن کو کوس رہا تھا۔ایک نظر اس پر جمائی جو عدیل سے مصافحہ کر کے رستم کے ہمراہ بائیں نشست پر بیٹھ گیا۔

"خان ٹیکسٹائل نے یہ میٹنگ ایک خاص مقصد کے لیے آرگنائز کی ہے۔" وہ بولا تو عدیل، کے کے احسن اور پریم چند اسکی جانب متوجہ تھے۔پریم چند رستم کے پاس کھڑا تھا۔"لاسٹ ایونٹ میں ہم نے خاصی کامیابی حاصل کی۔میں امید کرتا ہوں کہ اس میں بھی ایسا ہی ہو۔" وہ بااعتمادی سے گویا تھا۔

"ایک خیال کے کے کریئیشنز کا ہوگا۔اور ایک خان ٹیکسٹائل کا۔میری ترغیب یہ ہے کہ دونوں کو ملا کر ایک آئیڈیا بنا دیا جائے۔" کہکشاں کے تاثرات سے لگتا تھا کہ وہ اس سے متفق تھی۔احسن میز کے شیشے پر انگلی کے ناخن سے مسلسل کچھ کھرچ رہا تھا۔اسکی اس حرکت پر رستم نے اسے گھوری سے نوازا اور احسن نے پیار بھری مسکراہٹ سے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"آپ کا کیا خیال ہے؟ ایونٹ میں Products

Representation کے بارے میں؟"

"You tell first " (آپ بتائیں پہلے) وہ آہستگی سے بولی۔

"پریم چند۔" رستم کے اسے پکارنے پر پریم چند نے سرخ فائل میز پر رکھی

۔

"ویل (وہ آگے کو جھکا) خان ٹیکسٹائل چاہتا ہے کہ ہم انٹرنیشنل ایونٹ میں

اپنے کلچر کو Represent کریں۔ اپنے ملک پاکستان کو Represent

کریں۔" اس نے عدیل اور کے کو دیکھ کر ان کے تاثرات جانچے۔ پھر وہ فائل

کھولنے لگا۔

"یہ ڈیزائن ہے جو ڈیزائنر نے ایونٹ میں represent کرنے کے لیے

بنایا ہے۔"

اس نے کاغذ میز پر رکھا۔

کے کے نے اسے جانچا اور پر کھا۔ وہ خاموش تھی۔ رستم کرسی دھکیلتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ میٹنگ روم کی لائٹس آف کردی گئی تھیں۔ رستم کے عقب میں لگی سکرین روشن تھی۔

وہ سکرین کے پاس کھڑا تھا۔ سب کی نظریں سکرین پر تھیں۔

"یہ ایک سندھی لباس ہے۔" سکرین پر گھیرے دار فراک تھی۔ خوبصورت کڑھائی وال فراک، جس میں مختلف رنگ بھرے ہوئے تھے۔ سرخ، نیلا، پیلا، گلابی اور سبز۔ "اسکی جیولری اسی مطابقت سے ہوگی۔" رستم کے کہنے پر اب کی بار کہکشاں کی گردن اثبات میں ہلی۔۔

"یہ بلوچی لباس ہے۔" اب سکرین پر بلوچی لباس تھا۔ رنگ برنگا سا۔ کھلا کھلا سا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کہکشاں کی نظروں میں لاہور کی رنگیں دیواروں کا عکس بنا۔

"جو لاہور جاتا ہے اسے محبت ہو جاتی ہے۔" اسکا دل دھڑکا۔ سکرین پر تصویریں بدل رہی تھیں اور رستم کے جملے بھی۔

کہکشاں کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں اور کانوں میں لفظ "محبت" گونج رہا تھا۔

"رستم طیار میں وفا تھی۔" شیرازی فیشن ہاؤس میں میڈیا کے سامنے "کے کے" نے کہا تھا۔

"لاہوری وفادار ہوتے ہیں اور وفاداروں سے کسے محبت نہیں ہوتی بھلا۔"

شیر دل کہہ رہا تھا۔

کے کے نے رستم کو اپنی نظروں کے حصار میں لے رکھا تھا۔ احسن کی نظر کے کے پر جمی تو اس نے ایک بار رستم کو دیکھا ایک بار کے کے کو۔ پھر وہ گردن کو جنبش دے رہا تھا یعنی اسکے دماغ نے اسے پھر سے کوئی مشورہ دیا تھا۔

سکرین سیاہ ہوئی تو کمرہ روشن ہو گیا۔ کہکشاں کی ساعت سے آوازیں مخفی ہو گئیں۔

باوقار رستم ابھی بھی آنکھوں کے سامنے تھا۔ رستم نے کرسی سنبھالی۔

"جی میم اب آپ بتائیں۔"

"منظور ہے۔" وہ بلاتاخیر بولی۔

رستم کے لبوں پر تبسم ابھرا۔ "سو اٹس فائنل۔" وہ خوشی سے بولا۔ کے کے نے اثبات میں گردن ہلائی۔ وہ اس معاملے میں خان ٹیکسٹائل سے متفق تھی۔

"کے کے کریئیشنز اسی مطابقت سے جیولری ڈیزائن کرے گا۔" وہ پُر اعتمادی سے بولی۔

"مجھے لگتا ہے یہ اچھا خیال ہے مگر اس سے ایک مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے؟" احسن کی زبان پر کھجلی ہوئی۔

"کیسا مسئلہ۔؟" سوال رستم کی طرف سے تھا۔

"یہی کہ ہر ماڈل کو الگ قسم کا میک اپ کرنا پڑے گا۔ جیولری کا تو میم ہینڈل کر لیں گی۔ اور ڈریسز کا خان ٹیکسٹائل ہینڈل کرے گا۔ اور میک اپ" اس نے انگلی کو ٹھوڑی پر رکھا۔

رستم نے بمشکل ہاتھ کو ماتھے پر جانے سے روکا۔ ورنہ من تو تھا کہ ماتھا پیٹے۔

کہکشاں کے تاثرات میں بھی سنجیدگی آئی تھی۔ وہ پورے معاملے میں پہلی بار بولا تھا اور فضول بولا تھا۔

"ہیں ناں میم۔آپکے خیال سے زیادہ مسائل کب پیدا ہوتے ہیں؟"وہ نہایت سمجھداری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"زیادہ زبان چلانے سے۔"وہ اپنے انداز میں بولی۔

احسن گنگ ہوا۔اتنی بے عزتی۔اس نے رستم کو دیکھا۔پھر پریم چند کو اور پھر سے رستم کو۔کے کے کو دیکھنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔

کہکشاں اور عدیل نے میٹنگ ہال چھوڑتے ہوئے الوداعیہ کلمات کہے جن کا جواب احسن نے نہیں دیا تھا۔

"تم ہنسے کیوں تھے۔؟"اس کا لہجہ سخت تھا۔میٹنگ روم میں بس اب وہ دنوں ہی تھے۔

"کب ہنسا میں؟"وہ ابھی بھی مسکراہٹ دبا رہا تھا۔

"جب کے کے نے میری بے عزتی کی۔"اسکی آواز میں رنج واضح تھا۔

"کے کے نے تمہاری بے عزتی کی؟"رستم نے آبرو اچکاتے ہوئے تصدیق چاہی۔

احسن کا ضبط جواب دے گیا۔

"رستم میں تمہاری جان لے لوں گا۔"وہ سلگ کر بولا۔

رستم نے ہاتھ دل کے مقام پر رکھا اور تابعداری سے جھکا۔"تم اس میں خوش ہو تو میری جان حاضر۔"احسن کا موڈ لمحہ بھر میں خوشگوار ہو گیا۔

"تم نے ایک بات نوٹس کی۔؟"وہ اب عام سے انداز میں بولا۔

"کونسی بات۔؟"رستم فائل کھول رہا تھا۔

"کے کے تمہیں کیسے دیکھتی ہے۔؟"وہ کسی سوچ میں ڈوبا کہہ رہا تھا۔

"آنکھوں سے"اسنے فائل کا ورق پلٹا اور سرسری انداز میں بولا۔احسن کے دل کیا اسکے منہ کا نقشہ بگاڑ دے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"اسے کہیں تم سے پیار و یار تو نہیں ہو گیا؟۔" اب وہ سنجیدہ تھا۔

"استغفر ُللہ احسن کبھی کچھ اچھا بھی بول لیا کرو۔" رستم نے التجا کی۔

احسن نے کرسی چھوڑ دی۔ "گھر جا رہا ہوں میں۔ فضول میں باندھ کے رکھا ہوا ہے۔ قدر چوّنی کی نہیں ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے میٹنگ روم سے باہر نکل گیا۔

رستم نے فائل بند کرتے ہوئے پشت کرسی سے لگا کر آنکھیں موند لیں۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ بلیو بلڈنگ میں انٹرنیشنل کولیبریشن ایونٹ کے بارے میں ڈسکس کرنے کے لیے میٹنگ رکھی گئی تھی۔ یہ منظر میٹنگ روم کا تھا۔ متعدد لوگ کرسیاں سنبھالے ہوئے تھے۔ مستطیل میز کے اطراف میں بیٹھے ایمپلائز میں سے کسی کے سامنے کوئی فائلز رکھی ہوئیں تھیں اور کسی کے سامنے لیپ ٹاپس ۔ میٹنگ روم کی ایک دیوار شیشے کی تھی۔ جس سے باہر کی بلند و بالا عمارتیں دکھائی دیتی تھیں۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سب سکرین کے پاس کھڑے رستم طیار کی جانب متوجہ تھے۔جو روشن سکرین کے سامنے کھڑا ایک گراف کا جائزہ لے رہا تھا۔خان ٹیکسٹائل کی ایونٹ میں شرکت سے حالات قدرے بہتر ہوئے تھے۔لاتعداد آرڈرز ملنے کے زیرِ اثر رستم نے کمپنی کے ایمپلائیز کے ساتھ میٹنگ آرگنائز کی تھی۔

"کے کے کریئیشنز اور خان ٹیکسٹائل ایک بار پھر کولیب کرے گا۔مجھے آپ سب کا ایکٹو بیہیویئر چاہیے۔"سکرین بند ہو چکی تھی وہ اب کرسی پر بازو ٹکائے سب ایمپلائیز کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یس سر۔"سب کی آوزیں پرجوش تھیں۔

"میک شیور کے کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"یہ تاکید پریم چند کو کی گئی تھی۔

"اِٹس اوور۔"رستم نے ہاتھ اٹھائے۔

اسکے بعد سب ایمپلائیز میٹنگ روم سے چلے گئے۔

رستم نے کرسی سنبھالی۔ وہ اور احسن اپنی اپنی ڈکاٹی پر آج ہی اسلام آباد سے لوٹ کر آئے تھے۔ کے کے کریئشنز کے ساتھ ہونے والی میٹنگ، امپالا ئیز کے ساتھ ہونے والی میٹنگ اور سفر کی وجہ سے وہ تھکا تھکا دکھائی دیتا تھا۔ رستم نے تھکان کی وجہ سے آنکھیں موند لیں۔ اسکا سر بھاری ہو رہا تھا۔

"اسے کہیں تم سے پیار ویار تو نہیں ہو گیا؟"

احسن کا جملہ کانوں میں گونجا تو وہ آنکھیں موندے ہوئے مسکرا دیا۔

احسن اور اسکی باتیں۔ غیر موجودگی میں بھی اسکی خوشی کا سبب تھیں۔

رات کی تاریکی میں، لاہور کے ''فلیٹیز ہوٹل'' کی روشنیاں دور سے ہی دیکھنے والوں کو اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی اور ہوا کے جھونکے درختوں کی شاخوں کو مدھم مدھم ہلا رہے تھے۔ ہوٹل کی عمارت جو کہ قیامِ پاکستان سے سڑسٹھ سال قبل تعمیر کی گئی تھی، اپنی شاندار طرزِ تعمیر کے ساتھ یوں

قائم تھی جیسے کوئی قدیم قلعہ جو وقت کی گرد سے بچ کر آج بھی اپنی پوری آب و تاب میں کھڑا ہو۔

ہوٹل کے داخلی دروازے پر کھڑے دربان سے سلامتی سمیٹتے ہوئے لابی میں آؤ تو وہاں روشنیوں کا بسیرا تھا۔Vintage پینٹ کی دیواروں پر لگی پینٹنگز، برطانوی دور کی شان و شوکت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ہر چیز بہت انتہائی نفاست سے ترتیب دی گئی تھی۔لابی میں کچھ لوگ بیٹھے تھے جن میں کچھ کاروباری حضرات اور کچھ سیاح شامل تھے۔

اس قدیم طرز کے ہوٹل جس میں ہالی ووڈ کے مشہور اداکار قیام کر چکے تھے اسی ہوٹل میں ہماری کہانی کی کردار کہکشاں بھی تھی۔کے کے کسی سلیبرٹی سے کم تھی کیا؟

فلیٹیز ہوٹل میں اس پل ڈنر بفے لگایا گیا تھا۔کہکشاں بھی کھانے کی غرض سے اس جانب بڑھ رہی تھی۔سیاہ وسفید کے امتزاج والے شطرنج کے فرش پر اسکی ہیل کی ٹک ٹک گونج رہی تھی۔وہ راہداری سے چلتی ہوئی آئی۔

راہداری کے آخر میں ایک دروازہ تھا جس کے ساتھ دیوار پر لکڑی کی تختی پر

café DE BRANDO کندہ

سنہری رنگت کی وجہ سے چمک رہا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی۔قریب لگے صوفوں پر بیٹھے افراد نے مڑ کر اس حسن کی مورت کو دیکھا تھا۔ان افراد کی نگاہوں کو اس نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

کے کے کو کب سے ان نظروں کی پرواہ ہونے لگی بھلا؟

اس نے چہرہ کا طواف کرتی ایک اچٹتی بالوں کی لٹ کو شہادت کی انگلی سے پرے ہٹایا تھا۔

ریسٹورنٹ کے اندر کھانے کی دلفریب خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ بڑی بڑی کھڑکیاں باہر سے دلکش باغ کی طرف کھلتی تھیں۔ وہ جو کھڑکی پر نظر جمائے ہوئی تھی دائیں جانب مڑی۔ اس نے نگاہیں اٹھائیں تو سامنے منظر نے اس کے چودہ طبق روشن کر دیے۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ گویا یقین کرنا چاہا کہ سامنے کا منظر حقیقت تھا یا اس کا تخیل؟

لیکن وہ حقیقت تھی۔

حقائق خوفناک ہوتے ہیں۔

اس نے جبڑے بھینچ لیے۔ لب آپس میں پیوست ہو گئے۔

وہ سرد نگاہوں سے دور ریسٹورنٹ کی قدرے کونے والی میز پر بیٹھے افراد کو تک رہی تھی۔۔ تبھی ان میں سے ایک فرد کی نگاہ اٹھی تھی۔ جب وہ نگاہیں سبز آنکھوں سے چار ہوئیں تو جیسے آس پاس کی تمام اشیاء نے دم سادھ لیا۔

وہ پلٹنا چاہتی تھی لیکن کے کے پلٹنے والوں میں سے تو نہ تھی۔ سامنے بیٹھا وجود ہر بڑی میں کھڑا ہوا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ اور کے کے مداح اسے۔

رات کے اس پل تاریکی گہری ہو چکی تھی۔ وہ بوجھل قدموں سے چلتا ہوا کچن میں آیا۔ فریج میں سے بوتل نکال کر لبوں سے لگائی۔ اندھیرے کچن میں کوئی داخل ہوا اور بتی جلا دی گئی۔

اس نے خان بابا کو اپنے مقابل دیکھا تو حیران ہو گیا۔

"آپ اب تک جاگ رہے ہیں؟"

"ہاں بیٹا آنکھ نہیں لگ رہی تھی۔" وہ تھکاوٹ سے چور لہجے میں بولے۔

"آپکے لیے کھانا لگا دوں؟"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"جی۔آپ کھانا لگائیں میں احسن کو بلالاتا ہوں۔" وہ عام سے لہجے میں کہتا ہوا کچن کے دروازے کی جانب بڑھا۔

"احسن بابا تو چلے گئے۔؟" رستم کے قدم جکڑے گئے۔

"کدھر چلے گئے۔؟" وہ متحیر ہوا۔

"کراچی۔" انہوں نے سرسری انداز میں کہا۔

"اچانک سے کیوں چلے گئے؟" اسکی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔

"شاید مبارک باد دینے گئے ہوں۔" رستم مزید شش وپنج میں مبتلا ہوا۔

"کیسی مبارک باد؟"

"آپکی شادی جو تہہ ہو گئی۔" اب کی بار خان بابا مسکرائے تھے اور رستم طیار خان مسکرا بھی نہ سکا۔اس کے سر پر گویا کسی نے بمب پھوڑ دیا تھا یا پورے گھر کی چھت سر پر آن گری تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"میری شادی؟۔"اس نے سینے پر انگلی رکھے دریافت کیا۔

"ہاں۔"خان بابا وثوق سے بولے۔

"کک۔کس سے؟"وہ ہکلایا۔زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اور اسے خبر تک نہ تھی۔کیسے؟

"امن بٹیا سے۔مالکین نے کل تمام ملازموں میں مٹھائی بھی تقسیم کی تھی۔

"

رستم کے قدم لڑکھڑائے۔اس کا دل لرزا۔آنکھوں میں سرد پن چھانے لگا۔

"احسن۔؟"لبوں میں جنبش ہوئی۔پکار بے آواز تھی۔

رستم کے اندر خوفناک سناٹا چھا گیا۔

"بابا رشتے ایسے نہیں بنتے۔اچانک سے آپ نے ہاں کر دی۔" وہ متفکر لہجے میں کہہ رہا تھا۔ازیت چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔امن کا خیال اسکی جان لے رہا تھا۔اسکے مقابل بیٹھے اقبال شیرازی خاموش تھے۔

"اور آپ بڑی ماں؟" احسن نے افسوس بھری نگاہ ان پر ڈالی۔

"رستم اچھا لڑکا ہے۔" عزرا بی نے وضاحت دی۔

"رستم اچھا لڑکا ہے میں جانتا ہوں مگر وہ مس طیا۔۔۔موقع اور دستور دیکھ کر چلتی زبان کو بریک لگائی۔

"مگر رستم کی ماں ان سے واقف نہیں ہیں آپ؟"

"وہ خود چل کر آئیں تھیں۔" اقبال شیرازی محو گفتگو ہوئے۔

"ظاہری بات ہے ڈیڈ چل کر آتے اڑ کر تھوڑی ناں۔" وہ کوفت زدہ ہو کر بولا۔

"ہم نے رستم کے منہ کو ہاں کی ہے بیٹا۔"

"رستم نے بولا کہ وہ یہ شادی کرنا چاہتا ہے۔امن راضی ہے؟"وہ غصے سے پھٹ پڑا۔ گردن کی نسیں پھول گئیں۔

"ظاہری بات ہے رستم راضی ہو گا تو ہی وہ اتنے مان سے چلی آئیں۔ورنہ اس سے قبل وہ کبھی نہیں آئیں۔"

احسن نے مٹھیاں بھینچ کر غصہ ضبط کرنے کی کوشش کی۔

"مس طیاری تمہیں تو میں چھوڑوں گا نہیں"اس نے سوچا۔آنکھیں انگارہ تھیں۔

"امن کہاں ہے؟ مجھے امن سے ملنا ہے۔"

"کمرے میں"عزرا بی اسے یوں دیکھ کر سہم کر بولیں۔

www.novelsclubb.com

احسن سیڑھیاں پھلانگتا امن کے کمرے تک پہنچا۔دروازہ دھکیلا مگر وہ بند تھا۔

احسن نے دستک دی۔امن اس سے محبت کرتی ہے وہ جانتا تھا اسکی حالت کیا ہو گی سوچ سوچ کر اسکا دل بھاری ہو رہا تھا۔

"امن" وہ بلند آواز میں بولا۔

احسن نے دستک دینے کے لے جو نہی دوبارہ دروازے پر ہاتھ رکھا۔دروازہ کھل گیا۔

"امن" اسکے لب ہلے۔

"تم ٹھیک ہو۔" کمرے میں داخل ہوتے وہ فوراًسوال کر گیا۔

"میں بہت خوش ہوں احسن۔" وہ اسکے گلے لگ گئی۔

"کیا خواب ایسے پورے ہوتے ہیں۔؟ کیا تعبیر اتنی پیاری ہوتی ہے؟ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میری زندگی میں بہار آئے گی۔"

امن کی آنکھیں چمک رہیں تھیں۔ احسن کے قدموں تلے سے زمین بہت آہستگی سے کھسکی تھی اور وہ جیسے اوندھے منہ گر پڑا۔ کیا یہ تھا انجام اس کی محبت کا؟

اس نے امن کے گرد حصار مضبوط کر لیا۔

پہلی بار تھا کہ احسن نے امن کے گرد اپنے بازوؤں کا ہالہ بنایا تھا۔ وہ اسے کسی عزیز چیز کی طرح سمیٹنا چاہتا تھا۔

"تمہیں پتا ہے۔ اب میں نہیں روؤں گی" وہ احسن کے حصار سے نکلی۔

احسن کا دل ڈوب کر ابھرا۔ دھڑکنیں ساکت ہو گئیں۔

اسے لگتا تھا کہ امن اس سے محبت کرتی ہے اور اسے غلط لگتا تھا۔ بعض غلط فہمیاں جان نکال دیتی ہیں۔ احسن کو لگا وہ مر جائے گا۔

"نہیں خدایا۔یوں نہیں۔" وہ بے آواز رو رہا تھا۔

"محبت میں ہجر کا غم جان نکال لیتا ہے احسن۔" رستم نے کہا تھا۔

اور احسن کو لگا اسکی زندگی تمام ہو گئ۔

تین دن بعد

ان سب کی زندگیوں میں تین دن بیت گئے۔ان دنوں میں معمول سے ہٹ کر کچھ نہیں تھا۔رستم کو احسن کی فکر تھی۔بار بار فون ملانے پر بھی رابطہ نہیں ہو پایا تھا۔پریشانی کے عالم میں اقبال شیرازی کو کال کی تو معلوم ہوا احسن دبئ چلا گیا ہے۔رستم کو تردد ہوا۔اسے اس سے ملنا تھا۔

گھر میں احتشام اور کلثوم بیگم کے چہروں پر فاتحانہ مسکراہٹوں نے اسکا وہاں رہنا مزید مشکل کر دیا۔رستم دو دن سے فارم ہاؤس میں تھا۔

اسلام آباد میں موسم دل لبھانے والا تھا۔وہ فون ہاتھ میں تھامے فارم ہاؤس کے لان میں بیٹھا تھا۔لان میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔لان میں لگے فوارے سے پانی کسی جھرنے کی طرح بہہ رہا تھا۔اسکی نظریں موبائل پر تھیں۔ جس پر چند لمحات قبل اسے کہکشاں کی میل موصول ہوئی تھی۔

"مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔کیا آپ مل سکتے ہیں؟" انگریزی میں لکھی تحریر کو اس نے بے آواز پڑھا۔اسکے ساتھ ہی پن لوکیشن سینڈ کی گئی تھی۔

رستم نے کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا اور پھر میل کو۔

" Be there at 4:44 AM"

گھڑی کی سوئیاں چار بجا رہی تھیں۔وہ جو عام سے حلیے میں بیٹھا تھا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

میل کا مثبت جواب دیتے ہی اس نے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

خوشگوار ماحول میں اسلام آباد کی شفاف سڑکوں سے ایک معروف ہوٹل جسے "سیرینا ہوٹل" کہا جاتا ہے وہاں آؤ تو ہوٹل میں قدم رکھتے ہی پُر تعیش اور شاندار لابی نظر آتی ہے جہاں شیشے کی کھڑکیاں باغات کا منظر پیش کرتی ہیں۔

اسی ہوٹل کی کافی شاپ میں رستم طیار سیاہ سوٹ میں ملبوس موبائل پر نظریں جمائے بیٹھا تھا میل باکس کھلا ہوا تھا اور وہ کے کے کی میل کو تکتے ہوئے اسکا منتظر تھا۔

www.novelsclubb.com

رستم نے نظریں اٹھائیں تو سامنے ہی شیشے کی دیوار کے اس پار سبز گھاس اور رنگ برنگے پھولوں سے کھلا ایک باغ دکھائی دیتا تھا۔ سورج کی مدھم سی کرنیں باغ میں موجود فوارے کی پانی پر پڑتی ہوئی اسے پر کشش بنا رہیں تھیں۔

رستم نے اطراف میں نگاہ دوڑائی ارد گرد میزوں پر بھی لوگ موجود تھے جو مختلف موضوعات پر گفتگو میں مصروف تھے لیکن آوازیں دھیمی اور ماحول میں ایک سکون تھا۔

وہ جو 4:40 پر ہوٹل آگیا تھا اسکی نگاہیں منتظر تھیں۔اسے یہاں بیٹھے ہوئے دس منٹ بیت چکے تھے۔رستم نے احسن کو کال ملانا شروع کی معلوم تھا کہ اسکا نمبر بند ہے لیکن پھر بھی۔

ہوٹل کی خاموشیوں میں ہیل کی آواز گونجنے لگی رستم جو کان سے موبائل لگائے بیٹھا تھا یکلخت اسے "اس" کی آمد کا احساس ہوا۔ گردن موڑ کر دیکھا اسے اسکی جانب بڑھتی ہوئی کہکشاں دکھائی دی۔

سیاہ پینٹ کوٹ میں ملبوس، گلے میں مفلر اور ہاتھوں میں ہینڈ بیگ تھامے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کہکشاں نے رستم کو دیکھتے سیاہ شیڈز اتار دیے۔اب رستم نے اسکی آنکھوں کو دیکھا۔اسکی آنکھیں۔سبز آنکھیں۔

رستم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہیلو۔"وہ میز کے پاس آکر رکی۔

"میں آپکا منتظر تھا۔"رستم نے ہیلو نہیں کہا۔

"مجھے اچھا لگا۔"وہ نرمی سے بولی۔

"واٹ۔؟"رستم کو حیرت ہوئی۔معذرت بھی کوئی شے ہوتی ہے۔

"مجھے انتظار کروانا پسند ہے۔"وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

رستم نے بھی واپس اپنی نشست سنبھالی۔

"کتنی دیر انتظار کرواتی ہیں آپ۔؟"وہ متحیر سا سوال پر سوال کر رہا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ دس منٹ۔"وہ دوبدو بولی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"اور کم سے کم؟"

کہکشاں نے اسے دیکھا۔"کم سے کم دس منٹ۔" کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"آپ ہر کام لیٹ کرنے کی عادی ہیں۔؟" کہکشاں ویٹر کی جانب متوجہ تھی جب رستم نے پھر سے پوچھا۔

"او نہوں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔"مرضی سے کرنے کی عادی ہوں۔" وہ اطمینان سے بولی۔

رستم کی زبان کو بریک لگی۔وہ آئی تھی تو اس نے وقت دیکھا تھا یعنی وہ واقعی دس منٹ لیٹ تھی اور مرضی سے لیٹ تھی۔

"مجھے ایونٹ کے لیے تھوڑی چینجنگ چاہیے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"اوکے جیسے آپ بولیں۔" رستم نے سوال نہیں کیا تھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ ایونٹ میں ماڈلز نئی ہوں۔"

دوسری شرط رکھی گئی۔

"جیسے آپ بولیں۔"

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔؟"

"آپ کہہ رہی ہیں تو ٹھیک ہے۔" وہ عام سے لہجے میں بولا۔

کہکشاں کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ اتنی فرماں برداری۔ رستم اپنی ہی رو میں کہہ رہا تھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ آپ کے کریئیشنز آکر ایک بار ڈیزائنز دیکھ لیں۔ ٹھیک؟"

"آپ کہہ رہی ہیں تو ٹھیک ہے۔" وہ بلا تفکر بولا۔

"میری ایک اور شرط ہے۔" وہ آگے کو ہوئی۔ رستم نے گردن ہلا کر اجازت دی۔

"اکتیس کو اپوئنٹ ہے اور تیس کو ہماری شادی۔۔ ٹھیک۔؟"

"او کے، جیسا آپ بولیں۔" وہ فراوانی سے بولا۔ پھر دماغ میں کچھ کلک ہوا۔ سیکنڈ کی دیری لگی تھی اور سارا کچھ سمجھ آنے لگا۔

"واٹ" اسے ہوش اب آیا تھا۔ آواز تیز تھی۔ دوسری میز کے لوگوں نے ناگواری سے انہیں تکا۔ شاید خلل پیدا ہونے پر برا منایا گیا تھا۔

"میں آپ سے شادی کیوں کروں گا؟" وہ سنبھلا۔ البتہ اسکی رنگت اڑ گئی تھی۔

"کیونکہ میں کہہ رہی ہوں اس لیے۔" کندھے اچکاتے ہوئے آرام سے بولی۔

وہ اس مغرور حسینہ کو دیکھ کر رہ گیا۔

"لل۔ لیکن ایسے کیسے۔؟ مطلب۔ میں؟" وہ متحیر سا بولنے کی سعی کر رہا تھا۔

"لیکن کی اجازت کسی نے دی آپ کو؟" سوال نہیں تھا۔ باور کرایا گیا تھا۔ کہکشاں کی نگاہیں رستم پر ٹکی تھیں اور وہ۔۔ وہ تو جیسے گنگ ہوا بیٹھا تھا۔ مزید کوئی لفظ اسکی زبان سے ادا نہ ہوا۔ حواسِ خمسہ ساتھ دینا چھوڑ گئے تھے شاید۔

جاری ہے۔